مکالمہ نویسی

تعریف اور مفہوم

مکالمہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی گفتگو، زبانی سوال و جواب، ہم کلامی، باہمی گفتگو، باہمی سوال جواب۔

(بحوالہ فیروز اللغات، صفحہ 1338، جدید اُردو لغت صفحہ 677)

اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان گفتگو کو مکالمہ کہتے ہیں۔ یہ گفتگو عام طور پر سوال جواب کی صورت میں ہوتی ہے۔

امتحانی پرچے میں یہ سوال نمبر 6 ہوتا ہے۔ اس سوال میں روداد یا مکالمہ لکھنا ہوتا ہے۔ چوں کہ ایک چیز لکھنا ہوتی ہے۔ اس لیے دونوں میں سے ایک چیز تیار کریں تا کہ وقت اور محنت بچ سکے۔ مکالمہ نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ جب کہ روداد اول تو لکھنے کی نوعیت کے اعتبار سے جیسے منتظم سیکرٹری، ناظر، مبصر یا تقریب کی نوعیت کے اعتبار سے جیسے ادبی، مذہبی، سیاسی، سماجی مختلف النوع ہوتی ہے۔ پھر تقریب کے اعلان سے لے کر اختتام کے بعد تک کی ترتیب و معلومات اور اقتباسات جو کہ عام طور پر فٹی ہوتے ہیں کے اعتبار سے مشکل ہوتی ہے۔ لہٰذا مکالمہ کی تیاری کے لیے ہدایات درج ذیل ہیں۔

1۔ نصابی تقاضے کے مطابق مکالمہ صرف دو افراد کے درمیان ہوتا ہے۔ مکالمہ مصنوعی نہ لگے بلکہ دو افراد کے درمیان طویل گفتگو کے دوران کسی موضوع پر ایک حصے کے طور پر لکھنا چاہیے۔

2۔ سوال میں دیے گئے موضوع پر بحث کے انداز میں لکھا جائے۔ اس لیے دونوں کردار متضاد سوچ رکھنے والے ہوں، تاہم مکالمے کا انجام (جسے ہر حال میں لکھنا چاہیے) دونوں کرداروں کے اتفاق رائے یا مثبت کردار کی فتح یا پھر میانہ روی سے ہونا چاہیے۔

3۔ مکالمے کا آغاز اور انجام دونوں فطری ہوں۔ آغاز اور اختتام پر منظر نامہ چھوٹی بریکٹ میں لکھنا چاہیے۔ اسی طرح مکالمے کے درمیان کیفیات خواہ مکالمے سے پہلے یا دورانِ مکالمہ بریکٹ میں ہی لکھی جانی چاہیے۔

4۔ کرداروں کی پیشہ ورانہ معلومات کا صحیح استعمال کریں۔ کرداروں کی گفتگو، ان کی عمر، مرتبہ، جنس، تعلیم اور پیشے کے مطابق ہونی چاہیے۔ حفظ مراتب کا خیال رکھنا چاہیے۔

5۔ گفتگو روزمرہ بول چال کی اور نجی ہو۔ مگر شائستگی ملحوظ رکھنی چاہیے۔ گفتگو تصنع اور بناوٹ سے پاک ہو۔ مکالمے مختصر بھی ہو سکتے ہیں اور طویل بھی مگر دونوں صورتوں میں موضوع سے نہ ہٹیں۔

اہم مکالمے

1۔ دو طالب علموں کے درمیان احترامِ استاد پر مکالمہ (فیصل آباد بورڈ 2012ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(شعیب اور عمیر ہم جماعت ہیں۔ تفریح کا وقت ہے۔ اچانک دالان میں دو طلبہ آپس میں لڑنے لگتے ہیں۔ پروفیسر محمد سلیم صاحب انھیں لڑنے سے منع کرتے ہیں لیکن ایک طالب علم ان سے گستاخی سے پیش آتا ہے۔ اس پر شعیب حیران ہو کر عمیر سے کہتا ہے)

شعیب: عمیر! دیکھ رہے ہو کتنی عظیم ہستی سے کتنا ادنیٰ رویہ برتا جا رہا ہے۔

عمیر: شعیب! یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آج ہمارے معاشرے سے اساتذہ کا احترام اٹھ چکا ہے۔

شعیب: دیکھو! یہ کوئی طریقہ تو نہیں ہے استاد سے گفتگو کا۔ باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب کے مصداق یہ طلبہ کیا حاصل کریں گے۔

عمیر: اساتذہ کی بے ادبی کرنے والے طلبا میں سے، میں نے اکثر کو دھکے ہی کھاتے دیکھا ہے۔

شعیب: اُستاد وہ ہستی ہے کہ جس سے نیا معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ جیسا کہ ظفر علی خاں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بیٹا! استاد کا احترام کرو کہ یہ وہ ہستی ہے جس نے مستقبل تشکیل دینا ہے۔

عمیر: علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ:

توں آں شاہ کہ محل بر قصرت — کبوتر گر نشیند، باز گردد

(ترجمہ: کہ اے استادِ محترم! آپ وہ ہستی ہیں کہ آپ کے محل پر اگر کبوتر آ کر بیٹھ جائے تو جب اُڑے گا وہ کبوتر نہیں ہوگا بلکہ باز ہوگا)

شعیب: اساتذہ کا تو وہ مقدس پیشہ ہے کہ جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

انما بعثت معلما — "بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا"

عمیر: ماضی و حال کے شاگرد کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ساری زندگی اپنے استاد کے گھر کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے۔ حضرت علیؓ جیسی عظیم شخصیت اور اسلامی سلطنت کے خلیفہ ہیں، لیکن یہودی کو دیکھ کر کہ جس سے ایک لفظ پوچھا تھا کھڑے ہو جاتے ہیں اور آج حیف صد حیف! طلبا اساتذہ کے سامنے زبان دراز ہیں۔

شعیب: استاد تو وہ ہستی ہوتی ہے جو اپنے سینے میں چھپا علم طالب علم کے حوالے کرتی ہے۔

عمیر: دوست! لیکن صد برائیوں سے بڑھ کر برائی تو ہمارے معاشرے میں پھیل چکی ہے اور وہ ہے اساتذہ کی ناقدری۔

شعیب: کچھ طلبہ اساتذہ کی ڈانٹ سن کر بپھر جاتے ہیں۔

عمیر: اساتذہ کی ڈانٹ بھی ہمارے لیے مفید ہے۔ وہ تو ہماری ہی بہتری کے لیے تلخ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن نظر غ
سے دیکھا جائے تو تلخ الفاظ ہمارے لیے کہیں زیادہ شیریں ہوتے ہیں۔

شعیب: لیکن آج کے طلبا اساتذہ کے احترام کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے اور یہ ایک ایسا قبیح فعل ہے جو طلبا کو تہس نہس کر دیتا ہے۔

عمیر: شعیب! سکندر اعظم کا نام سنا ہوگا۔ دنیا کا فاتح تھا لیکن پھر بھی استاد کے سامنے یوں مؤدب ہوتا تھا جیسے خوف سے ہوا ہو۔ اپنے استاد ارسطو کے متعلق کہتا تھا۔

"میرا باپ (فلپ) مجھے آسمان سے زمین پر لایا اور میرا اُستاد (ارسطو) مجھے زمین سے آسمان پر لے گیا"

شعیب: لیکن بدقسمتی سے یہ رسمِ ادب ہمارے معاشرے سے اُٹھ گئی ہے اور میرے خیال میں زوالِ معاشرہ میں اس کا کلیدی کردار ہے۔

عمیر: پتا نہیں! آج طلبا کیا سمجھتے ہیں۔ شاید وہ اساتذہ کے مقام سے واقف نہیں ہیں۔

شعیب: واقف تو خوب ہیں لیکن بعض اداروں میں خود اعتمادی (Confidence) کی آڑ میں انہیں زبان دراز کیا جاتا ہے۔

عمیر: بس! خدا ہمارے نوجوانوں کو عقل دے اور انھیں احترامِ اساتذہ کی توفیق دے۔

شعیب: آمین

اختتامی منظر نامہ:

(دونوں جماعت کے کمرے میں چلے جاتے ہیں)

2۔ الیکشن کے امیدوار اور ووٹر کے درمیان مکالمہ

(بہاول پور بورڈ 09-2008، گوجرانوالہ 2008)

ابتدائی منظر نامہ:

(الیکشن میں حصہ لینے والا ایک نوجوان امیدوار گھر گھر جا کر ووٹ کی استدعا کرتا ہے اور وطن سے محبت اور ملک کو ترقی دینے کے عزائم کا اظہار کرتا ہے۔ ایک گھر میں ایک بزرگ سے گفتگو ہوتی ہے جو کہ درج ذیل ہے)

امیدوار: (ایک بزرگ کو گھر سے نکلتے دیکھ کر) السلام علیکم!

ووٹر: وعلیکم السلام! بیٹا آپ کو کس سے ملنا ہے؟

امیدوار: میرا نام راؤ طارق محمود ہے اور میں اپنے علاقے میں ایم پی اے کی نشست پر الیکشن کا امیدوار ہوں۔

ووٹر: اچھا' اچھا'۔۔۔۔ تو آپ ہیں راؤ طارق محمود۔ آیئے میں بیٹھک کا دروازہ کھولتا ہوں۔

امیدوار: (بیٹھک میں بیٹھتے ہوئے) دراصل بات یہ ہے چچا جان کہ میں آپ سے اپنے حق میں ووٹ ڈالنے کی درخواست کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

ووٹر: وہ تو ٹھیک ہے مگر بیٹا پہلے اپنے تعلیمی ریکارڈ کے بارے میں کچھ بتاؤ۔

امیدوار: میں نے ایم اے کیا ہے اور آئندہ الیکشن میں کامیابی کی صورت میں ملک و قوم کی خدمت کرنے کا ارادہ ہے۔

ووٹر: بہت نیک جذبات ہیں تمھارے بیٹا۔ مگر ہمارے ملک میں یہ ایک غلط روش ترقی پا گئی ہے کہ عوام میں ملک کی ترقی کا جوش تو بہت پایا جاتا ہے مگر حکومت میں آتے ہی عوام کی امیدوں پر پانی پھیر دیتے ہیں۔

امیدوار: جناب یہ سب غلط نمائندوں کے انتخاب کا نتیجہ ہے۔ عوام کو سوچ سمجھ کر صرف اہل اور تعلیم یافتہ افراد کو ووٹ دینے چاہییں۔ نئے تعلیم یافتہ افراد کو موقع دیا جائے تو اچھے نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

ووٹر: مگر بیٹا۔ آخر اچھے حکمران کا انتخاب کس طرح ممکن ہے؟ ہر امیدوار شروع میں تو ملک و قوم کی ترقی کی کوششوں اور عزائم کا اظہار کرتا ہے مگر حکومت میں آتے ہی سب باتیں وعدوں کی حد تک محدود ہو جاتی ہیں۔

امیدوار: اس سلسلے میں اسلامی ماحول میں پرورش پانے والے لوگوں کا چناؤ کرنا چاہیے۔ بے راہ روی اور گمراہی کے شکار افراد کو حکومت میں آنے کا کوئی حق نہیں۔

ووٹر: اس بات کی کیا دلیل ہے کہ اس طرح حکومتی اہل کار ایمان دار اور دیانت دار ہوں گے۔

امیدوار: عہد خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ کو خبر ملی کہ ایک عامل شراب کے متعلق اشعار کہتا ہے۔ آپؓ نے اسے فوراً برطرف کر دیا۔ پوچھنے پر جواب دیا کہ اس طرح اسلامی اقدار اور قوانین کو توڑنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے جو حکومت کے لیے نقصان دہ ہے۔

ووٹر: بیٹا میں تمھاری قابلیت کا قائل ہو گیا ہوں۔ واقعی ہماری نئی نسل بہت دانا اور سمجھ دار ہے۔

امیدوار: چچا جان! یہ تو آپ جیسے بزرگوں کی شفقت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ہم نوجوان کس لائق ہیں۔

ووٹر: نہیں بیٹا قابلیت میں انسان کی اپنی کوشش کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔

امیدوار: تو جناب میں آپ کی طرف سے ووٹ پکا سمجھوں؟

ووٹر: ہاں، ہاں کیوں نہیں۔۔۔ مجھے فخر ہے کہ اب میری قوم میں ایسے سپوت موجود ہیں جن کی وجہ سے ملک محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ وگرنہ ملکی حالات دیکھ کر تو میں دعا کرتا تھا

اے خدا بھیج کسی موسیٰ کو کہ
فرعون کی فرعونیت عام ہونے لگی ہے

امیدوار: بس چچا جان! خدا نے آپ جیسے نیک خو بزرگوں کی دعا سن لی ہے۔

ووٹر: ہاں بیٹا شکر ہے اس کی ذات کا۔

امیدوار: اب اجازت دیجیے میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ

ووٹر: اللہ حافظ

اختتامی منظر نامہ:

(امیدوار بزرگ سے اجازت لے کر اگلے گھر کی جانب روانہ ہوتا ہے)

3۔ دو دوستوں کے درمیان مطالعہ کتب کی اہمیت پر مکالمہ (فیصل آباد بورڈ 2014)

تمہیدی منظر نامہ:

(طارق کالج کے صحن میں کرسی پر بیٹھا ہے۔ سامنے سے خالد آتا دکھائی دیتا ہے۔ خالد کے ہاتھ میں کتاب ہے۔ خالد طارق کے پاس آتا ہے اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔)

خالد: السلام علیکم!

طارق: وعلیکم السلام! یہ تمھارے ہاتھ میں کون سی کتاب ہے؟

خالد: ابھی ابھی لائبریری انچارج شجاع پاشا صاحب سے ''نامور مسلم ہیروز'' نامی تاریخی کتاب لے کر آیا ہوں۔

طارق: تاریخی کتاب! یہ کون سا وقت ہے تاریخی کتب کے مطالعے کا؟ ایف۔ ایس۔ سی کے لیے تیاری کا اہم وقت یوں ضائع کر رہے ہو۔

خالد: میں ان کتب سے اضافی وقت میں مستفید ہوتا ہوں۔ پہلے نصابی کتابوں کو پڑھتا ہوں اور فارغ وقت میں تاریخی کتب کا مطالعہ کرتا ہوں۔

طارق: لیکن اس سے تو تمھاری پڑھائی کا حرج ہوتا ہوگا۔

خالد: بالکل نہیں۔

کیسے ممکن ہے؟

طارق: دیکھو! بھئی صرف نصابی کتابوں کا بار بار مطالعہ کر کے بھی انسان کو تھکاوٹ اور بوریت سی محسوس ہوتی ہے۔

خالد: لیکن کتاب چھوڑ کر کتاب ہی پڑھنے سے کیسے تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے؟

طارق: فارغ وقت میں تمھارا کیا معمول ہے؟

خالد: میں تو روزانہ عصر سے مغرب تک کرکٹ کھیلتا ہوں۔ انسان تازہ دم بھی ہو جاتا ہے اور پڑھائی سے پیدا ہونے

طارق: والی تھکاوٹ بھی دور ہو جاتی ہے۔

تو کیا یہ وقت کا ضیاع نہیں؟

خالد: نہیں! کیوں کہ صحت کی خاطر یہ بھی ضروری ہے۔

طارق: میں تو اپنے اضافی وقت کو کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتا ہوں اور ورزش کے طور پر روزانہ صبح سویرے سیر کرتا ہوں۔

خالد: روزانہ ورزش کرنے کا معمول تو اچھا ہے۔ لیکن غیر نصابی کتابوں کا مطالعہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

طارق: غیر نصابی کتب کے مطالعہ سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

خالد: کیسے فوائد؟

طارق: اس سے ہمارے علم و فہم میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور زندگی میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔

خالد: غیر نصابی کتابیں پڑھنے سے اور کیا فائدہ ہوتا ہے۔

طارق: تاریخی کتب کے مطالعہ سے قدیم دور کے حالات و واقعات سے واقفیت ہوتی ہے۔ انسان تاریخ سے متعلق حقائق سے بھی روشناس ہوتا ہے۔ اور کتابیں انسان کو بیٹھے بٹھائے دنیا کی سیر کرا دیتی ہیں۔ اس طرح انسان کے لیے یہ فرحتِ طبع کا باعث بنتی ہیں۔

خالد: کیا ان کے مطالعے سے تمھیں اکتاہٹ نہیں ہوتی؟

طارق: بالکل نہیں۔ یہ تو ایسی چیز ہے کہ بقول شاعر:

ہم نشینی اگر کتاب سے ہو — اس سے بہتر کوئی رفیق نہیں

خالد: ہمیں امتحان میں بھی ان کے مطالعہ سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

طارق: یقیناً خاص طور پر اُردو، اسلامیات اور مطالعہ پاکستان جیسے مضامین کے لیے یہ بہت مفید ہے۔ اس کے علاوہ معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور اب تو انٹری ٹیسٹ میں جنرل نالج ٹیسٹ، اپٹی ٹیوڈ ٹیسٹ بھی شامل کر دیا ہے۔ جن میں یہ علم نفع بخش ثابت ہو سکتا ہے۔

خالد: اس لحاظ سے تو میں بھی ان کتب کے فائدے کو تسلیم کرتا ہوں۔

طارق: اور خاص طور پر یہ علم تعمیر کردار میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ قائداعظمؒ نے کہا تھا۔

''علم تعمیر کردار کے لیے ناگزیر ہے۔''

خالد: اس کے علاوہ کسی مضمون نویسی کے مقابلے میں، تقریر اور مباحثے میں بھی اضافی مطالعہ کافی فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

طارق: ٹھیک ہے۔ اب میں بھی اضافی وقت میں کھیل کی بجائے مطالعۂ کتب کو ترجیح دوں گا۔

(اتنے میں پیریڈ کی گھنٹی سنائی دیتی ہے)

خالد: چلو کلاس میں چلتے ہیں۔

اختتامی منظر نامہ:

(دونوں جماعت کے کمرے کی طرف چل پڑتے ہیں)

4- دو تعلیم یافتہ نوجوانوں کے درمیان بے روزگاری کے عنوان پر مکالمہ

(راولپنڈی 2014ء، لاہور 2010ء، ملتان 13ء سرگودھا 12ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(اسٹیشن پر ابھی گاڑی ٹھہری ہوئی ہے۔ ڈبہ نمبر 12 میں ایک وجیہہ نوجوان جس کے چہرے سے خستہ حالی عیاں ہے بیٹھا ہے۔ اتنے میں ایک اور نوجوان اس کے ساتھ والی سیٹ پر آ کر بیٹھ جاتا ہے اور گفتگو یوں شروع ہوتی ہے)

نوجوان: السلام علیکم!

نووارد: وعلیکم السلام!

نوجوان: کیا نام ہے آپ کا؟

نووارد: میرا نام اسد ہے۔ آپ اپنا تعارف کرانا پسند کریں گے؟

نوجوان: میرا نام عمر ہے۔ (ایک سرد اور لمبی آہ بھرتے ہوئے) ایک مرتبہ پھر قسمت آزمانے کے لیے چل پڑا ہوں۔ پرسوں کے روزنامہ نوائے وقت میں پڑھا تھا کہ الفلاح بینک کو چند کیشیئر درکار ہیں۔

اسد: (حیران ہوتے ہوئے) اس کا مطلب ہے ہماری منزل ایک ہی ہے۔

عمر: کیا تعلیم ہے آپ کی؟

اسد: ایم۔کام۔ کیے دو سال گزر چکے ہیں۔ آئے روز نوکری کے ارمان لیے گھر سے نکلتا ہوں۔ مگر شام کو ناکام لوٹ آتا ہوں۔

عمر: نوکری ملنا تو دیوانے کا خواب معلوم ہوتا ہے۔ میں بھی مسلسل تین برس سے نوکری کا متلاشی ہوں مگر ایک شاعر نے کیا خوب میری نقشہ آرائی کی ہے۔

تری خاطر ہر روز صحرا نوردی کرتا ہوں　　پیاسا ہوں اب تک، ملا نہیں جامِ دیدار

اسد: ہمارے ملک میں بھی عجب دستور ہے۔ جس قدر شرح تعلیم میں اضافہ ہو رہا ہے ملازمتیں نایاب اور بے روزگاری میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

عمر: پہلے تو یہ سنتے تھے کہ فقط ان پڑھ ہی بے روزگار ہوتے ہیں۔ مگر یہ تلخ حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں تعلیم یافتہ ہی زیادہ تر بے روزگاری کا شکار ہیں۔

اسد: ہاں! کیوں کہ ان پڑھ اور کم تعلیم یافتہ کی اکثریت کاروبار اختیار کر لیتی ہے اور ہم جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ برسہا برس نوکری کے بکھیڑوں میں الجھے رہتے ہیں۔

عمر: اس بے روزگاری کی کئی وجوہ ہیں۔ اولین وجہ تو سرمایہ داروں کی اجارہ داری ہے۔ کسی دور میں ہم کہتے تھے کہ ''جان ہے تو جہان ہے'' لیکن ابوالکلام آزاد نے کیا خوب کہا تھا: ''زر ہے تو جہان ہے''

اسد: ہاں یہ تو ہے۔ پیسے نہ ہوں تو نوکری کو کون پوچھتا ہے۔ پھر اس سے دُہرا نقصان ہوتا ہے۔ ایک طرف نااہل عہدے دار تو دوسری طرف حق تلفی۔

عمر: اس کے ذمہ دار مقدر حضرات بھی ہیں۔ ان لوگوں کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر جاتی ہے مگر ملازمت سے چمٹے رہتے ہیں۔ نتیجتاً نوجوان نسل کی بُری طرح حق تلفی ہو رہی ہے۔

اسد: ایک اور بڑی وجہ سفارش ہے۔ آج کل نوکری کے لیے پیسہ ہو یا سفارش۔ ورنہ نتیجہ مایوسی نکلتا ہے۔

عمر: وہ انتہائی مایوس ہو کر رہ جاتے ہیں جن والدین نے اپنی اولاد کو بڑے کٹھن اور [illegible] تعلیم دلائی ہوتی ہے

جب ان کی اولاد کو ملازمت نہیں ملتی تو اُن کے سارے خواب ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔

اسد: میرے والد کی بھی یہی حالت ہے۔ وہ ایک مستری ہیں دِن رات محنت مشقت کر کے مجھے پڑھایا اور آج بڑھاپے میں وہ میری بے بسی کا منظر دیکھ رہے ہیں۔

عمر: نوکریوں کی اس غیر منصفانہ تقسیم نے پاکستان کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ یہاں تو نسل در نسل نوکریوں کا سلسلہ ہے۔ آپ کوئی بھی روزنامہ اُٹھا لیجیے ''آسامیاں خالی ہیں'' کی ایک لمبی فہرست نظر آئے گی لیکن انٹرویو دینے کے

اسد: بعد پتا چلتا ہے کہ یہ صرف دکھاوا تھا۔ ملازمتیں پیسے یا سفارش کی بنیاد پر پہلے ہی ہو چکی ہوتی ہیں۔ پاکستانی حکومت کو چاہیے کہ اس بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے خلاف قدم اٹھائے ورنہ بدترین نتائج برآمد ہوں گے۔

عمر: اس طرح کی حالت مجھے مایوس کر دیتی ہے لیکن پھر لاتقنطو من رحمة الله کے تحت امید باقی ہے۔

اسد: اور پھر ان الله مع الصبرین۔ کو مدنظر رکھ کر صبر کا دامن تھامے ہوئے ہوں۔

اگر اہل لوگوں کو ملازمتیں ملیں گی تو ملک روبہ زوال ہونے کی بجائے ترقی کی طرف گامزن ہوگا۔

عمر: میں بھی آج امید کا دامن تھامے گھر سے نکلا ہوں۔

اسد: (اتنے میں ریل گاڑی لاہور اسٹیشن پر رُکتی ہے اور دونوں پلیٹ فارم پر اُترتے ہیں)

عمر: خدا کرے آج ہمارے والدین کی دعائیں بر آئیں

اسد: آمین۔ اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔

اختتامی منظر نامہ: (دونوں دوست ریل گاڑی سے اُتر کر اپنی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں)

5۔ دو دوستوں کے درمیان سگریٹ نوشی کے موضوع پر مکالمہ:

(بہاول پور بورڈ 09-2008، ملتان 2009ء، ڈیرہ غازی خاں، فیصل آباد بورڈ 2014ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(عبدالواسع اور معاذ سٹی پارک میں بنچ پر بیٹھے ہیں۔ قریب ہی بیٹھا ہوا ایک شخص سگریٹ سلگاتا ہے۔ عبدالواسع کا کا دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ سگریٹ نوش سے یوں مخاطب ہوتا ہے)

عبدالواسع: ہیلو بھائی! یہ سگریٹ مت سلگاؤ۔

سگریٹ نوش: کیوں جناب؟ آپ کے روپے خرچ ہوئے ہیں۔

عبدالواسع: نہیں روپے تو خرچ نہیں ہوئے۔

سگریٹ نوش: پھر کیا تکلیف ہے آپ کو؟

عبدالواسع: تکلیف یہی ہے کہ سگریٹ کے دھوئیں سے میرا جی متلا رہا ہے۔

سگریٹ نوش: آپ کا جی متلاتا ہے لیکن مرا جی چاہتا ہے۔

(یہ کہتے ہوئے سگریٹ نوش لمبا کش لگاتا ہے)

معاذ: کسی کا احساس کر لیا کرو بھائی۔

سگریٹ نوش: میں مجبور ہوں بھائی۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

(سگریٹ کے دھوئیں سے عبدالواسع کو کھانسی شروع ہو جاتی ہے)

عبدالواسع: چلو معاذ یہاں سے چلتے ہیں ورنہ میری طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی۔

معاذ: چلو بھئی کہیں دوسری جگہ پر بیٹھتے ہیں۔

(دونوں دوست وہاں سے اُٹھ کر پارک کے دوسرے کنارے جا کر ایک خالی بینچ پر بیٹھ جاتے ہیں)

عبدالواسع: یار میرا تو جی متلا رہا ہے کوئی ٹھنڈا مشروب ہی منگوالو۔

معاذ: سیون اپ (7up) ہو جائے۔

عبدالواسع: جی ہاں! ٹھیک ہے۔

(معاذ کنٹین پر جاتا ہے اور چند منٹوں کے بعد سیون اپ کی دو بوتلیں لے کر آتا ہے)

معاذ: یہ لو بوتل پیو!

عبدالواسع: (بوتل منہ کو لگاتے ہوئے) یار! ہمارے معاشرے میں سگریٹ نوشی جیسا موذی مرض روز بروز وبا کی طرح پھیلتا ہی جا رہا ہے۔

معاذ: واقعی سگریٹ نوشی کی عادت جتنی خطرناک ہے اتنی ہی تیزی سے پھیل بھی رہی ہے۔

عبدالواسع: تمام لوگ جانتے بھی ہیں کہ اس سے کینسر، ہیپاٹائٹس، کھانسی، جگر کی سوزش، برونکل ڈسٹرکشن، ایلوولائی برسٹنگ جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

معاذ: ''چھٹتی نہیں یہ منہ سے کافر لگی ہوئی'' کے مصداق جو اس کی زد میں آ گیا بس پھر نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

عبدالواسع: ناممکن تو نہیں! بس عزمِ صمیم کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ پچانوے فیصد لوگوں کے پاس نہیں۔
ورنہ بقول شاعر:

ہمت کرے انساں تو کیا ہو نہیں سکتا ۔۔۔ وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا

معاذ: سگریٹ نوشی کے نقصانات کو جانتے ہوئے بھی یہ لوگ اس میں دھنستے ہی چلے جاتے ہیں۔

عبدالواسع: دراصل سگریٹ میں نکوٹین شامل ہے جو بہت خطرناک ہوتا ہے۔ سگریٹ میں تمباکو کے علاوہ خالصتاً نکوٹین ہو تو چند کش ہی انسان کو ابدی نیند سلا دیں۔

معاذ: درحقیقت بعض لوگ تو غمِ دنیا سے چھٹکارے کے لیے اور بعض وقت گزاری کے لیے سگریٹ پیتے ہیں۔

عبدالواسع: دیکھو بھئی یہ کس قدر بُری شے ہے کہ جو پیتا ہے ساری زندگی اُس کے منہ سے بدبو زائل نہیں ہوتی۔

معاذ: ہماری حکومت کو چاہئے کہ اس کے سدِ باب کے لیے مناسب اقدامات کرے اور محکمہ صحت بھی قدم اُٹھائے۔

عبدالواسع: حکومت کا کردار تو نا کافی ہے بس ہر ڈبی پر ''خبردار تمباکو نوشی کینسر اور دل کی بیماریوں کا باعث ہے'' کے سوا حکومت نے کیا ہی کیا ہے؟

معاذ: حکومت کو چاہیے کہ تمباکو کی درآمد پر پابندی عائد کرے اور میڈیا کو سگریٹ نوشی کی تشہیر سے منع کرے۔

عبدالواسع: ہمیں بھی اپنا کردار ادا کرتے ہوئے سگریٹ نوشوں کو نصیحت و انتباہ کرتے رہنا چاہیے۔

معاذ: مگر یار یہ لوگ تو بات سننے کو تیار نہیں ہوتے۔

عبدالواسع: ہاں یہ تو ہے۔ لیکن ہمیں پھر بھی اس کے خاتمے کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

معاذ: اچھا بھئی چلیں دیر ہو رہی ہے۔

اختتامی منظر نامہ:

(دونوں دوست اپنی اپنی راہ لیتے ہیں)

6۔ دو دوستوں کے درمیان امتحانی نظام/نظام تعلیم کے موضوع پر مکالمہ

(بہاول پور بورڈ 14-2010-2005، فیصل آباد 2005، سرگودھا 2010، آزاد کشمیر 2005)

تمہیدی منظر نامہ:

(حمزہ اور عبدالرافع دو دوست ہیں۔ حمزہ لنک روڈ پر جا رہا ہے، اتنے میں اسے سامنے سے عبدالرافع آتا دکھائی دیتا ہے۔ دونوں میں سلسلہ کلام کچھ یوں شروع ہوتا ہے)

عبدالرافع: السلام علیکم!

حمزہ: وعلیکم السلام!

عبدالرافع: خیریت تو ہے بڑی مدت بعد درشن ہوئے ہیں۔

حمزہ: (روکھے سے انداز میں) بس خیریت ہی سمجھو۔

عبدالرافع: کچھ تو بتاؤ کہ یہ حالات کا خاموش شکوہ کیوں ہے؟

حمزہ: بس یار امتحانی نظام/تعلیمی نظام کے حالات کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں۔

عبدالرافع: کیوں! نظام تعلیم نے تمہارا کیا بگاڑ دیا ہے؟

حمزہ: میرا کیا بگاڑا بلکہ پوری قوم ہی پریشان ہے۔

میں اپنا رونا نہیں روتا، سارے چمن کا ہوں مرثیہ خواں
محلوں کے محل اکھاڑ ڈالے طوفاں نے مرا تو تھا فقط کچا آشیاں

عبدالرافع: یار تم صاف صاف کیوں نہیں بتاتے؟

حمزہ: بس یار! سال اول کے پرچے دیے تھے اور بائیولوجی کا پرچہ ہوا بھی اچھا تھا لیکن نتیجہ آیا تو پتا چلا کہ بائیولوجی میں صرف 35 نمبر ز ہیں۔ ری چیک کرایا تو پتا چلا کہ ممتحن نے دو سوال آٹھ آٹھ نمبر کے کاٹ دیے ہیں۔

عبدالرافع: کیوں، کیا وجہ؟

حمزہ: محض تفریح طبع کی خاطر یا شاید چیک کرتے وقت ممتحن محو خواب تھا۔

عبدالرافع: تو تم نے بورڈ والوں سے کہا نہیں؟

حمزہ: کیا ہوتا ہے کہنے سے؟ کہنے لگے بس دیکھ لو نمبر صفر لگے ہیں نا۔ بس ٹھیک ہے۔

عبدالرافع: یہ تو صریحاً زیادتی ہے۔

حمزہ: یار! یہ کوئی طریقہ تو نہیں کہ ممتحن جسے چاہیں جیسے چاہیں کر دیں۔ طلبا کی محنت کو غارت کر دیا جاتا ہے اور پھر کوئی ان کے خلاف قانونی کارروائی بھی نہیں کر سکتا۔

عبدالرافع: اور اساتذہ کی تقسیم میں بھی ناانصافی کی جاتی ہے۔ بڑے شہروں میں تجربہ کار اور نامور اساتذہ ہوتے ہیں جب کہ پسماندہ علاقوں میں اساتذہ کی کمی اور نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ میڈیکل کالجز اور انجینئرنگ یونی ورسٹیوں میں بڑے شہروں کے طلبا ہی داخلہ لینے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

حمزہ: چھوٹے شہروں کے تعلیمی اداروں کی ناقص عمارتیں ہوتی ہیں جب کہ گاؤں اور دیہاتوں میں تو یہ سہولتیں بھی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسی فیصد زمینداروں کے بیٹے بھی زمیندار بنتے ہیں۔

عبدالرافع: پاکستان کو آزاد ہوئے اڑسٹھ برس گزر چکے ہیں لیکن حیف صد حیف، آج تک تعلیم جیسا بنیادی شعبہ ملک میں مفلوج ہے۔

یہی نہیں بلکہ جو تعلیم دی جاتی ہے وہ محض نظریاتی ہو کر رہ گئی ہے۔

حمزہ:

وہ کیسے؟

عبدالرافع:

دیکھو بھئی! سائنس کا شعبہ ہی لے لو طلبا تمام تر نظریات یا تھیوریز، مشاہدات، ڈی ڈکشن اور قوانین کا مطالعہ کرتے ہیں لیکن انہیں عملی زندگی میں لاگو نہیں کر پاتے اور اس سے مزید ترقی کی راہیں ہموار نہیں ہوتیں۔

حمزہ:

کیوں کہ ہمارے ہاں تعلیم کا اصل مقصد صرف نوکری کا حصول یا بڑے عہدے تک پہنچنے کی راہیں ہموار کرنا ہے اور ویسے بھی یہ کام تو سائنس دانوں کا ہے۔

عبدالرافع:

نہیں قطعاً نہیں۔ تحقیق صرف سائنسدانوں ہی کا کام نہیں بلکہ ایک طالب علم حقیقت میں محقق ہوتا ہے، نہ کہ صرف رٹنے والا۔

حمزہ:

اور شاید یہی اصول اسلامیات میں ہے۔ ہم نے تمام اسلامی قوانین، اسوہ حسنہ، صداقت، شرافت کے متعلق قرآنی احکامات پڑھے ہیں۔ لیکن عملی زندگی میں اس کا نفاذ نہیں کرتے۔

عبدالرافع:

اس کی وجہ کیا ہے۔ جانتے ہو؟

حمزہ:

نہیں!

عبدالرافع:

پاکستان تو آزاد ہو گیا لیکن نظام تعلیم آزاد نہ ہو سکا۔ نظام تعلیم اور امتحانی نظام آج بھی انگریزوں کے دور کا ہے، جو لارڈ میکالے لایا تھا جس نے کہا تھا۔

''مجھے ایسا نظام تخلیق کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے جس کا مقصد کلرکوں کی پیداوار ہے''۔

اور شاید اسی لیے اکبر الہ آبادی نے کہا:

نئی تعلیم میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے ۔۔۔ مگر یوں ہی کہ جیسے آب زم زم مے میں داخل ہے

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں میں دھوم ہے ۔۔۔ مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

محکمہ تعلیم کو چاہیے کہ تعلیمی اصلاحات نافذ کرے اور امتحانات کی پیکنگ کا نظام درست کیا جائے۔ تاکہ طلبا کی حق تلفی نہ ہو سکے۔ اس طرح ملکی معیشت بھی مستحکم ہوگی اور ملک ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکے گا۔

عبدالرافع:

(گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے) اچھا! بس اب چلتے ہیں دیر ہو رہی ہے۔ اللہ حافظ

حمزہ:

اچھا! اللہ حافظ

عبدالرافع:

اختتامی منظر نامہ:

(دونوں دوست مخالف سمت میں چل پڑتے ہیں)

7۔ دو سہیلیوں/دوستوں کے درمیان مہنگائی کے موضوع پر مکالمہ

(سرگودھا بورڈ 2012، بہاول پور بورڈ 12-2008، ملتان 14-2006، گوجرانوالہ 12-2007)

تمہیدی منظر نامہ:

(وحیدہ اور شکیلہ دونوں سہیلیاں ہیں اور ایک ہی محلہ میں رہتی ہیں۔ وحیدہ، شکیلہ سے ملنے کے لیے اس کے گھر آتی ہے اور دونوں میں سلسلہ کلام کا آغاز ہوتا ہے)

السلام علیکم! شکیلہ کیسی ہو؟

وعلیکم السلام! بس ٹھیک ہوں۔

خیریت ہے، بہن؟ کیوں سر پکڑے بیٹھی ہو؟

دیکھو آج ہی بجلی کا بل آیا ہے اور وہ بھی تین ہزار روپے۔

تو آپ بجلی کا استعمال کم کیا کریں ناں۔

بہن! آپ تو کمال کی باتیں کر رہی ہیں۔ میں نے کون سا گھر میں ایئر کنڈیشنڈ لگوا رکھا ہے۔ صرف دو انرجی سیور اور ایک پنکھا چلتا ہے۔

دراصل آج کل بجلی کی قیمتیں بھی آسمان کو چھو رہی ہیں۔ ہر دوسرے روز فی یونٹ قیمت بڑھا کر عوام پر بجلی گرا دی جاتی ہے۔ ابھی تو صرف بجلی کا بل آیا ہے اس کے بعد سوئی گیس کا بل اور پھر ٹیلی فون کا بل، بلوں کی بھرمار ہے۔ شاید اسی لیے اکبر مسعود نے کہا تھا:

جو چوٹ بھی لگی ہے وہ پہلی سے بڑھ کے تھی — ہر ضرب کرب ناک پہ میں تلملا اٹھا
پانی کا، سوئی گیس کا، بجلی کا، فون کا — بل اتنے مل گئے ہیں کہ میں بلبلا اٹھا

وہ بھی اچھن شناس ہو گئی ہو۔

بہن! بے رحم، ظالم، نا انصافی انسان کو زبان دے دیتے ہیں۔ آج مہنگائی جیتے جی گلا گھونٹ رہی ہے۔

مہنگائی سے صرف آپ ہی نہیں بلکہ پورا ملک ہی پریشان ہے۔

یہاں کے کاروبار کی یہ حالت ہے کہ روز بروز زوال ہے۔ صبح سے رات گئے تک دکان پر بندھے رہتے ہیں۔ مشکل سے پندرہ بیس ہزار ماہانہ آمدن ہے۔ صرف بجلی کا بل ہی تین ہزار روپے ہے، پھر گیس کا بل اور دیگر اخراجات الگ ہیں۔

جی ہاں! مہنگائی کا تو یہ عالم ہے کہ ڈیڑھ سو روپے کلو چنے ملتے ہیں۔ گوشت تو کجا اب تو عوام کے منہ سے سوکھے ٹکڑے بھی چھینے جا رہے ہیں۔

دیکھو بہن! میرے تین بچے سکول میں زیر تعلیم ہیں۔ آٹھ سو روپے ماہانہ ان کی فیس ہے۔ پھر ان کے دیگر اخراجات الگ ہیں۔ الغرض اب تو دو وقت کی روٹی ملنا بھی دشوار ہو رہی ہے۔

مہنگائی نے تو خاص طور پر غریبوں کی کمر توڑ دی ہے۔ پاکستان کی اکثریت غربت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ موجودہ حکومت نے کئی ٹیکس عائد کر دیے ہیں جس کی وجہ سے مہنگائی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ حالاں کہ حکومت کو چاہیے کہ مہنگائی کے سدباب کے لیے کوشش کرے۔

حکومت! حکومت سے امید رکھنا تو میرے خیال میں سوائے خام خیالی کے کچھ نہیں۔ حکومت کو عوام کے مسائل کی کیا فکر یہ لوگ تو محلوں میں عیش و سرور میں مگن ہیں۔

حکمرانوں کے متعلق شاید اسی لیے اقبال نے کہا تھا کہ:

خواب سے بیدار ہوتا ہے اگر محکوم ذرا — پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

دراصل منافع خوروں، ذخیرہ اندوزوں کی وجہ سے بھی مہنگائی میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ لوگ من مانی کرتے ہوئے چیزیں مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں۔

میں تو ہر وقت پریشان رہتی ہوں کہ خدا جانے مہنگائی کا سیلاب ہمیں کہاں بہا کر لے جائے گا۔

وحیدہ: یہ تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا سدِ باب کرے۔ کیوں کہ جس ملک میں مہنگائی دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے اس ملک کی ترقی ناپید ہو جاتی ہے۔

شکیلہ: واقعی مہنگائی نے تو خوش حال زندگی کو ناممکن بنا دیا ہے۔

وحیدہ: ہر شخص حصول زر کی دوڑ میں سرگرداں ہے۔ ہر کوئی راتوں رات امیر بننا چاہتا ہے۔ جس کی وجہ سے طرح طرح کے مسائل جنم لے رہے ہیں۔

شکیلہ: قناعت کی دولت سے تو ہمارا معاشرہ تہی دامن ہو گیا ہے۔

وحیدہ: دراصل مہنگائی کو بڑھانے میں ہمارا بھی عمل دخل ہے۔ ہم اسراف سے کام لیتے ہیں۔ شادی بیاہ کے مواقع ہوں یا کوئی اور موقع بے جا خریداری کرتے ہیں۔

شکیلہ: تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن جو لوگ اخراجات میں احتیاط سے کام لیتے ہیں ان کے لیے بھی تو زندگی دوبھر ہو گئی ہے۔

وحیدہ: ہمیں چاہیے کہ ہم بھی مہنگائی کا بھرپور مقابلہ کریں۔

شکیلہ: وہ کیسے؟

وحیدہ: ہمیں چاہیے کہ ہم روزمرہ کے معمولات میں سادگی کو رواج دیں اور کفایت شعاری سے کام لیں، قناعت اور توکل کا دامن تھامیں۔

شکیلہ: ہاں! اس دور میں تو واقعی اس کی سخت ضرورت ہے۔

وحیدہ: میں تو دعا ہی کر سکتی ہوں۔ اچھا بہن میں چلتی ہوں آپ کے بھائی صاحب کے گھر آنے کا وقت ہو گیا ہے۔

اختتامی منظر نامہ:

(وحیدہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتی ہے)

8۔ دو طالبات کے درمیان فیشن پرستی کے موضوع پر مکالمہ (۲۰ جنوری 2009ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(کالج میں الوداعی پارٹی ہے۔ میمونہ بے چینی سے اپنی سہیلی اقصیٰ کی منتظر ہے۔ طویل انتظار کے بعد اقصیٰ دروازے سے نمودار ہوتی ہے اور دونوں میں سلسلہ کلام یوں شروع ہوتا ہے۔)

اقصیٰ: السلام علیکم!

میمونہ: وعلیکم السلام! خیریت تو تھی اتنی دیر کیوں لگا دی؟

اقصیٰ: بس ذرا تیاری میں دیر لگ گئی۔ بیوٹی پارلر میں کافی بھیڑ تھی۔

میمونہ: (حیرت و استعجاب کے ملے جلے جذبات سے تقریباً چیختے ہوئے) کیا؟ تم بیوٹی پارلر گئی تھی؟

اقصیٰ: ہاں تو اس میں کیا حرج ہے؟

میمونہ: ایک معمولی سے فنکشن کے لیے تم نے وقت اور پیسے کا ضیاع کیا۔ کتنا خرچ ہوا تمہارا اس پارٹی کی تیاری میں؟

اقصیٰ: ہزار روپے تو بیوٹی پارلر پر ادا کیے اور تقریباً پانچ ہزار روپے کے جوتے اور کپڑے وغیرہ خریدے۔

میمونہ: (جوتوں کی طرف دیکھتے ہوئے اور کپڑوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے) حیف! تم نے صرف اس عام سی تقریب کے لیے والدین کے لیے مصیبت پیدا کی۔

میمونہ! یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ہم قرونِ وسطیٰ میں نہیں بلکہ اکیسویں صدی کے جدید ترین زمانے میں رہ رہے ہیں۔

اقصیٰ: فیشن کا زمانہ ہے۔ کچھ زمانے کے ساتھ بھی چلنا پڑتا ہے۔

میمونہ: ہاں بالکل تم آزاد خیال لڑکی ہو جو فضولیات پر اتنا روپیا خرچ کر دیا۔

پیسوں کی فکر چھوڑو۔ اس سے انسان میں خود اعتمادی اور انفرادیت پیدا ہوتی ہے۔

اقصیٰ: ایہ تمہاری خام خیالی ہے جسے تم خود اعتمادی اور انفرادیت سمجھتی ہو حقیقت میں یہ غرور و تکبر کا دوسرا نام ہے۔

میمونہ: میمونہ! یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟

اقصیٰ: بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ فیشن انسان میں غرور و تکبر پیدا کرتا ہے۔

میمونہ: لیکن فیشن سے انسان خوبصورت اور جدید دکھائی دیتا ہے۔

اقصیٰ: ایسی بات نہیں ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

اچھی صورت کو سنورنے کی ضرورت کیا ہے　　سادگی میں بھی قیامت کی ادا ہوتی ہے

یہ بات تو واقعی مسلمہ حقیقت ہے۔

میمونہ: اچھا بھئی دیکھوں تو سہی یہ پارلر سے کیا چیز بن کر آئی ہو؟

اقصیٰ: (اپنے بڑھے ہوئے ناخن دکھاتے ہوئے) یہ دیکھو ناخن پیارے لگ رہے ہیں؟

میمونہ: یہ بڑھے ہوئے ناخن پیارے نہیں بلکہ مردہ اور مکروہ ہیں۔ کوئی مردہ کے ساتھ بھی کھانا پسند کرتا ہے؟ بڑھے ہوئے ناخن مردہ ہو جاتے ہیں اسی لیے انھیں کاٹتے ہوئے تکلیف نہیں ہوتی۔ حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ

"آپ ﷺ نے فرمایا ناخن تراشو ناخن اور گوشت کے درمیان شیطان دوڑتا ہے"

اقصیٰ: میمونہ! تم بھی عجیب باتیں کر رہی ہو تعلیم یافتہ لڑکی ہو کر بھی ایسی باتیں کرتی ہو۔ ہم اکیسویں صدی میں جی رہے ہیں۔

میمونہ: یہ عجیب باتیں نہیں ہیں بلکہ حقیقت ہے۔ عجیب تو تم خود لگ رہی ہو۔ تم نے اتنا چست اور تنگ لباس پہنا ہوا ہے۔ قمیص بھی تنگ اور شلوار بھی تنگ پاجامہ نما۔

اقصیٰ: اس میں کیا حرج ہے۔ یہ تو آج کا ہر دل عزیز فیشن ہے۔

میمونہ: یہ کیا فیشن ہے جو صریحاً ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔ ایسا فیشن جو ہمارے مذہب سے متصادم ہو۔ غلط ہے۔ اسلام ایسے لباس سے منع کرتا ہے جس کو پہن کر جسم کے اعضا نمایاں ہوں۔ لباس جسم کو چھپانے کے لیے پہنا جاتا ہے نہ کہ مزید نمایاں کرنے کے لیے۔

اقصیٰ: تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ آج فیشن کا زمانہ ہے اور ہر لڑکی فیشن کرتی ہے۔ میں اسے اپنا حق سمجھتی ہوں۔

میمونہ: ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے لیے آج کی دین سے ناواقف خواتین نمونہ نہیں ہیں بلکہ ازواجِ مطہرات اور صحابیات ہیں۔

اقصیٰ: اچھا مان لیا تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ میک اپ تو کیا جا سکتا ہے؟

میمونہ: میک اپ اور زیب و زینت کی اجازت شادی شدہ عورت کے لیے ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے کر سکتی ہے۔

نسائی شریف میں ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جو عورت عطر لگائے اور لوگوں پر سے گزرے کہ لوگ اس کی خوشبو کو پائیں تو وہ زانیہ ہے۔ اور ہر آنکھ زنا کار ہوگی"

چونکہ اسلام ہر اس فیشن اور لباس سے منع فرماتا ہے جس سے غیر محرم مائل ہو۔

(اقصیٰ افسردگی کے انداز میں) اوہ اللہ ایا

میمونہ: اور تم نے بھنویں جو بنوا رکھی ہیں اس کی ممانعت ہے۔ اس کے طبی لحاظ سے بھی کئی نقصانات ہیں اس سے بینائی کمزور ہوتی ہے اور چہرے کے اضافی بال نکلوانے سے یہ بال آہستہ آہستہ سخت ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ چہرے کی رعنائی تازگی اور فطری شگفتگی غائب ہو جاتی ہے اور چند ہی دنوں میں چہرہ ایسے لگ رہا ہوتا ہے جیسے ابھی ابھی تازہ شیو بنوایا ہے۔

اقصیٰ: میمونہ! تمھاری خلوص و محبت سے معمور باتیں میرے دل کو لگی ہیں۔

میمونہ: مزید برآں اگر فیشن پرستی پر آنے والی کثیر لاگت ملک کی فلاح و بہبود اور غربا و مساکین کو دی جائے تو ایک طرف تو ملک کو بیش بہا فائدہ ہوگا تو دوسری طرف فیشن جیسی سماجی برائی کا خاتمہ ممکن ہو سکے گا۔

اقصیٰ: واقعی تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اللہ کرے پاکستان کی ہر عورت کی سوچ تم جیسی ہو۔

میمونہ: ہاں! مجھے خوشی ہے کہ اب تم میری بات سمجھ چکی ہو در اصل سادہ کپڑوں میں انسان سادہ مگر پُر وقار بھی نظر آتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اسراف سے بچنا چاہیے کیوں کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔

اقصیٰ: میں آئندہ تمھاری نصیحت پر عمل کروں گی اور میں تمھاری شکر گزار ہوں کہ تم نے میری گمراہ سوچ کو درست کیا۔ اللہ آپ کو جزا دے اور آپ کا علم اور عمل تقویت پائے۔

میمونہ: اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی سمجھ عطا کرے۔

اقصیٰ: آمین

اختتامی منظر نامہ:

(دونوں ہم جماعت الوداعی تقریب کی جانب متوجہ ہو جاتی ہیں جہاں تلاوتِ کلام پاک سے تقریب کا آغاز ہو رہا ہے۔)

9۔ ڈاکٹر اور مریض کے درمیان مکالمہ

(لاہور 2009ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(ڈاکٹر اپنے کلینک میں بیٹھا ہے۔ ایک شخص کلینک میں داخل ہوتا ہے، خالی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور ڈاکٹر صاحب سے مخاطب ہوتا ہے)

مریض: السلام علیکم! ڈاکٹر صاحب

ڈاکٹر: وعلیکم السلام!

ڈاکٹر: کہیے کیسے آنا ہوا؟

مریض: آپ کے پاس آتا ہی وہی ہے جو آفات و حادثات میں گرفتار ہو۔

(مریض کراہنا شروع کر دیتا ہے اور اس دوران درد کی تصویر اس کے چہرے سے عیاں ہے)

ڈاکٹر: کیا مرض لاحق ہوا ہے آپ کو؟

مریض: ڈاکٹر صاحب! مرض کی تشخیص کے لیے تو میں جناب کے پاس آیا ہوں۔ میرے سینے میں وقفے وقفے سے درد ہوتا ہے

ڈاکٹر: (تھوڑا جھک کر مریض کے سینے سے لگاتا ہے) ذرا کھانسیے۔

(مریض چند بار کھانستا ہے۔ ڈاکٹر بڑے انہماک سے اس کی تشخیص میں مگن ہے)

ڈاکٹر: کھانسی وغیرہ تو نہیں ہے اور آپ کی سانس بھی بالکل ٹھیک ہے۔

(ڈاکٹر دراز سے سفیگمو مانو میٹر نکال کر مریض کے بازو پر باندھتا ہے اور بلڈ پریشر چیک کرتا ہے اور سفیگمو مانو میٹر اتار کر رکھ دیتا ہے)

مریض: ڈاکٹر صاحب تو پھر کیا مسئلہ ہے؟

ڈاکٹر: آپ کا بلڈ پریشر 150-90 ہے۔

مریض: ڈاکٹر صاحب یہ 150-90 کا کیا مطلب ہے؟

ڈاکٹر: (حیرت سے مریض کو گھورتے ہوئے) ارے بھئی! اس کا مطلب ہے کہ آپ کی رگوں میں خون کی گردش بہت تیز ہو چکی ہے۔

مریض: اس میں کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟

ڈاکٹر: سراسر پریشانی ہے۔ اس سے ہارٹ وین ڈسٹرکشن یعنی دل کی نالی پھٹ سکتی ہے جس سے ہارٹ اٹیک ہو سکتا ہے اور برین وین ڈسٹرکشن بھی ہو سکتا ہے۔ جو موت کا سبب بن سکتا ہے۔

مریض: (یہ سن کر مریض بوکھلا جاتا ہے) ڈاکٹر صاحب! مہربانی فرما کر اس کے سدِ باب کے لیے کوئی دوا تجویز کر دیجیے۔

ڈاکٹر: (دوا تجویز کرتے ہوئے) نسخہ تو میں لکھ دیتا ہوں لیکن اس سلسلے میں آپ کو چند احتیاطیں برتنا ہوں گی ورنہ دوا سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

مریض: کیا احتیاطیں ڈاکٹر صاحب!

ڈاکٹر: سب سے بڑی احتیاط یہ کہ کوئی ٹینشن ہرگز نہ لی جائے۔ صبح سویرے سیر کیجیے۔ چکنائی یعنی گھی کا کم استعمال کیجیے۔ سگریٹ نوشی سے پرہیز کریں۔

مریض: (ایک سرد آہ بھرتے ہوئے) ڈاکٹر صاحب ٹینشن سے تو نجات ناممکن ہے۔ یہ تو ناممکن بات ہے کہ ایک مزدور ٹینشن سے بری ہو۔

ڈاکٹر: اس سلسلے میں آپ کو اپنا مکان کسی صاف ستھرے علاقے میں لینا ہوگا۔ کیوں کہ جراثیم مثلاً بیکٹیریا وائرسز، پروٹوزوا اور ویکٹرز گندے علاقہ جات میں دس گنا جلدی پلتے ہیں۔

مریض: ڈاکٹر صاحب ہمارے مکان کے سامنے گندے پانی کا کھال بہتا ہے جو تمام جرثوموں کی افزائش کا مرکز ہے۔ اور میرے حالات مجھے گھر تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

ڈاکٹر: اچھا کم از کم اپنا کمرہ صاف ستھرا رکھا کریں۔

(چند لمحے سکوت طاری رہتا ہے)

مزید برآں الیکٹروگرام ٹیسٹ بھی کروا لیجیے تاکہ سینے میں تکلیف کہیں دل کی خرابی کا نتیجہ نہ ہو اور یہ ٹیسٹ مجھے ضرور دکھایئے گا۔

مریض: اچھا ڈاکٹر صاحب یہ نسخہ دے دیجیے۔

(ڈاکٹر پیڈ پر سے صفحہ پھاڑ کر مریض کو تھما دیتا ہے۔ تین چار دواؤں کے نام دیکھ کر مریض کی پیشانی شکن آلود ہو جاتی ہے)

ڈاکٹر: یہ دوائیاں کچھ زیادہ نہیں لکھ دیں!

مریض: نہیں ایک نسخے کے سائیڈ ایفیکٹ سے بچنے کے لیے دوسرا نسخہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ تین دن بعد تشریف لائیے گا۔

اگر ڈاکٹر صاحب جیب اجازت دے گی تو آ جاؤں گا۔ فی الحال تو دوائیاں لینا ہی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

اختتامی منظرنامہ:

(ڈاکٹر صاحب سے اجازت لینے کے بعد مریض دوائیں لینے کے لیے میڈیکل سٹور پر چلا جاتا ہے)

10۔ مالک مکان اور کرایہ دار کے درمیاں مکالمہ (سرگودھا بورڈ 09-2007)

تمہیدی منظرنامہ:

(کرایہ دار اپنے گھر سے باہر نکل کر سائیکل پر سوار ہو رہا ہوتا ہے کہ یکا یک اُسے مالک مکان دکھائی دیتا ہے۔ اُن میں سلسلہ گفتگو یوں آغاز پاتا ہے)

مالک مکان: (ہاتھ ملاتے ہوئے) السلام علیکم!

کرایہ دار: وعلیکم السلام! کیا حال ہے جناب خیریت تو ہے۔

مالک مکان: جی ہاں خیریت ہے۔

کرایہ دار: (سائیکل سے اترتے ہوئے) تشریف لائیں جناب! باہر کیوں رک گئے ہیں۔

(کرایہ دار اندر جا کر بیٹھک کا دروازہ کھولتا ہے اور مالک مکان کو اندر بٹھاتا ہے) فرمایئے کیسے آنا ہوا؟

مالک مکان: بس ذرا میں چاہتا تھا کہ آپ چند دنوں میں مکان خالی کر دیں۔

کرایہ دار: (استعجابیہ انداز میں) چند دنوں میں! صاحب آپ ہوش میں تو ہیں؟

مالک مکان: جی میرے حواس بالکل درست ہیں اور میں آپ کو یہی اطلاع دینے کے لیے آیا ہوں کہ آپ جتنی جلدی ہو سکے متبادل رہائش کا بندوبست کر لیں۔

کرایہ دار: مگر آپ کیا کریں گے مکان خالی کرا کے؟

مالک مکان: بس جناب یہ مت پوچھیے۔

کرایہ دار: کیا آپ کا خود اس مکان میں رہنے کا ارادہ ہے؟

مالک مکان: نہیں! بالکل نہیں۔

کرایہ دار: پھر آپ کا کیا مقصد ہے۔ آخر کوئی وجہ تو ہو گی۔ ورنہ خالی مکان کون رہنے دیتا ہے؟

مالک مکان: بس جی۔ آپ اس موضوع کو مت چھیڑیے۔

کرایہ دار: نہیں جناب! آپ کو بہر حال اس کی وجہ تو بتانا ہو گی کہ ہمارے پاس مکان محفوظ نہیں یا ہم کرایہ کی ادائیگی میں دیر کرتے ہیں۔

مالک مکان: نہیں ایسی کوئی بات نہیں (چند لمحے سوچتا ہے پھر ٹھہر ٹھہر کر بولنا شروع کرتا ہے) دراصل۔۔۔۔ وہ بات یہ ہے۔۔۔۔ کہ جو کرایہ آپ دیتے ہیں مجھے اُس سے زیادہ مل رہا ہے۔

کرایہ دار: اچھا تو کتنا زیادہ کرایہ مل رہا ہے آپ کو؟

مالک مکان: مجھے سات ہزار روپے مل رہے ہیں جب کہ آپ پانچ ہزار رُوپے دیتے ہیں۔

کرایہ دار: دیکھیے، صاحب آپ کرایہ بڑھانے کے لیے غلط طریقہ استعمال کر رہے ہیں۔

مالک مکان: میں نے تو آپ کو کرایہ بڑھانے کے لیے نہیں کہا۔

کرایہ دار: مجھے معلوم نہ تھا کہ پانچ سال سے بٹھائے ہوئے معتبر کرایہ دار کو ایک دم یوں دھوکا دیں گے۔

چلیں میں آپ کے تعلقات کو مدنظر رکھ کر آپ کو دو ماہ کا وقت دے دیتا ہوں۔

مالک مکان: دیکھیے صاحب! یہ آپ کی صریح زیادتی ہے۔ اب ہم کہاں خوار ہوتے پھریں گے۔ کچھ مہربانی کیجیے۔

کرایہ دار: بس آپ کو دو ماہ کا وقت دے رہا ہوں۔

مالک مکان: اچھا محترم لیجیے! اگلے ماہ سے آپ چھ ہزار روپے ماہانہ وصول کیجیے گا۔ مبارک ہو کہ آپ کا تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔

کرایہ دار: (حیرت سے) دیکھیے میں نے کرایہ بڑھانے کو نہیں کہا۔

مالک مکان: آپ نے تو نہیں کہا لیکن آپ کرایہ بڑھانے کی خاطر کسی دوسرے کو مکان دے رہے ہیں۔

کرایہ دار: لیکن مجھے تو وہاں سے سات ہزار روپے مل رہے ہیں۔

مالک مکان: حضرت! دیکھیے کچھ تعلقات کا ہی لحاظ کیجیے۔ (جذباتی ہو کر) مہنگائی جیتے جی ہمارا گلا گھونٹ رہی ہے۔

کرایہ دار: واقعی مہنگائی نے تو ہر شخص کو ناکوں چنے چبوا دیے ہیں۔

مالک مکان: آپ تو کاروباری شخص ہیں لیکن ہم مزدور ہیں آپ سے کہیں زیادہ اثر ہم پر ہوتا ہے۔

کرایہ دار: دیکھیے صاحب بس اگلے ماہ سے چھے ہزار رُوپے لیجیے گا۔ (چند لمحے سکوت طاری رہتا ہے)

مالک مکان: چلیں میں آپ کی خاطر ہزار رُوپے کا خسارہ برداشت کر لیتا ہوں۔

کرایہ دار: شکریہ جناب۔

مالک مکان: اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں، اگلے ماہ دوبارہ ملیں گے۔

کرایہ دار: ان شاءاللہ! ضرور ملاقات ہوگی۔

اختتامی منظر نامہ:

(مالک مکان اجازت لے کر چلا جاتا ہے اور کرایہ دار سائیکل پر سوار ہو کر کام کے لیے چلا جاتا ہے۔)

11۔ پھل فروش اور گاہک کے درمیان مکالمہ (لاہور 2009، ملتان 2009,10)

تمہیدی منظر نامہ:

(سخت لو چل رہی ہے ایک چھپر تلے خستہ حال پھل فروش بیٹھا ہے۔ اتنے میں ایک گاہک نمودار ہوتا ہے اور پھل فروش کو مخاطب کرتا ہے)

گاہک: السلام علیکم!

(پھل فروش نیم خوابیدہ ہے۔ سلام کا جواب نہ ملنے پر گاہک اُسے دوبارہ اونچی آواز میں سلام کرتا ہے)

السلام علیکم جناب!

پھل فروش: (یکا یک بیدار ہوتے ہوئے) وعلیکم السلام!

گاہک: کچھ پھل خریدنا تھے بھائی۔ لیکن ادھر آ کر عجب منظر دیکھنا پڑ رہا ہے۔

پھل فروش: بس بھائی رات گیارہ بجے گھر جاتا ہوں اور صبح پانچ بجے سبزی منڈی جانا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے یہ کیفیت ہو جاتی ہے، اچھا کیا پسند فرمائیں گے آپ؟

گاہک: اچھے سے آم دکھایئے ذرا۔

پھل فروش: آم کیسا چاہیے۔ دسہری، چونسہ، لنگڑا، انور رٹول یا ثمر، فرمایئے کون سا دوں؟

گاہک: لنگڑا ہی دکھا دیجیے بھائی! چونسہ خریدنے کی جیب متحمل نہیں ہے ابھی۔

پھل فروش: (دو آم اُٹھا کر صاف کر کے گاہک کو دکھاتے ہوئے) یہ دیکھئے جناب۔

گاہک: ایک کلو کی کیا قیمت ہے؟

پھل فروش: چالیس روپے کلو۔

گاہک: (حیرت سے) چالیس! کیا آج کا تمام منافع میری جیب سے نکالنے کا ارادہ ہے؟

پھل فروش: نہیں جناب میرا ہرگز یہ ارادہ نہیں۔

گاہک: اچھا چھوڑو مجھے جلدی ہے۔ پینتیس روپے لگاؤ اور ڈیڑھ کلو تول دو۔

پھل فروش: (تولتے ہوئے) بس جناب! ہم تو آپ کا خیال کرتے ہیں۔

گاہک: تبھی تو آپ ہمیں خوب لوٹتے ہیں۔

پھل فروش: (تول کر رکھتے ہوئے) ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو آپ سے بالکل مناسب قیمت لیتا ہوں اور ک
پسند فرمائیں گے؟

گاہک: بس یار، بچوں نے کئی فرمائشیں کی ہیں دراصل چھوٹے بچے کی سالگرہ تھی جس کی وجہ سے آپ کے با
ہوا (چند لمحوں بعد) اچھا یہ آڑو کیا بھاؤ ہیں؟

پھل فروش: دیکھ لیجیے۔ زبردست خوشبودار آڑو ہیں۔

گاہک: (سونگھتے ہوئے) اچھا کلو کی کیا قیمت ہے؟

پھل فروش: ایک سو بیس روپے کلو ہیں۔ کوئٹہ کے بہترین آڑو ہیں۔

گاہک: (قیمت سنتے ہی آڑو فوراً واپس رکھ دیتا ہے) نہیں بس رہنے دیجیے۔

پھل فروش: کیا ہوا آپ تو قیمت سن کر سہم گئے ہیں۔

گاہک: آپ نے قیمت ہی زیادہ بتائی ہے۔

پھل فروش: چلیے سو روپے لگا لوں گا۔

گاہک: اچھا چلیں ایک کلو دے دیجیے۔

پھل فروش: (پھل فروش آڑو تول کر رکھ دیتا ہے)

گاہک: اچھا یہ کھجور تو دکھائیے۔

پھل فروش: (کھجوروں کا چلو بھر کے گاہک کے ہاتھ پر انڈیلتے ہوئے) یہ جمہ عباسیہ کی میٹھی کھجور ہے۔

گاہک: ایک کلو کی کیا قیمت ہے؟

پھل فروش: پچاس روپے کلو

گاہک: اچھا ایک کلو دے دو۔

پھل فروش: یہ لیجیے جناب۔ ایک کلو کھجور

گاہک: کل کتنی رقم ہو گئی؟

پھل فروش: (تمام پھلوں کے چھوٹے شاپروں کو بڑے شاپر میں رکھتے ہوئے منہ ہی منہ میں حساب کرتے ہو
تقریباً سرگوشی میں) ترپن اور سو اور پچاس۔ (اونچی آواز میں) دو سو تین روپے ہو گئے جی۔

گاہک: (پھل اٹھاتے ہوئے دو سو روپے تھما دیتا ہے) یہ لیجیے۔ ٹھیک ہے۔

ٹھیک ہے، شکریہ جناب۔

پھل فروش:

افتتاحی منظر نامہ:

(گاہک پھل اُٹھا کر چل دیتا ہے)

12- دو دوستوں کے درمیان موبائل فون کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر مکالمہ

(میر پور 2008، سرگودھا بورڈ 12-2010، ملتان 11-2007ء، لاہور 2011ء، ڈی جی خان بورڈ 13ء، بہاول پور 14)

تمہیدی منظر نامہ:

(اتوار کے دن حارث موٹر سائیکل پر سوار ہو کر کہیں جا رہا ہے کہ گلی کی نکڑ پر اس کی نظر اویس پر پڑتی ہے۔ حارث اویس کے پاس آ کر اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔)

حارث: السلام علیکم! اویس کیسے ہو؟

اویس: وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں۔ (حارث کے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ کیا ہے؟

حارث: ہیڈ فون ہے بھئی اور کیا؟

اویس: وہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے۔ لیکن دوران سفر اس کا کیا کام؟

حارث: (ہنستے ہوئے) ارے بھئی! تم بھی بالکل قدامت پسند واقع ہوئے ہو۔ سفر کی بوریت اس سے کم ہو جاتی ہے۔ آدمی گانے سننے میں مگن ہو جاتا ہے تو اُسے سفر کی کوفت بھول جاتی ہے۔

اویس: لیکن اس محویت میں تم کسی حادثے کا شکار بھی ہو سکتے ہو۔ کیوں کہ اس طرح تم مکمل توجہ سے ڈرائیونگ نہیں کر سکتے۔

حارث: کیوں بھئی؟ ڈرائیونگ کا سماعت سے کیا تعلق؟ اس کے لیے تو ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں ہوتی ہیں۔

اویس: نہیں! اس طرح دماغی انہماک بٹ جاتا ہے؟

حارث: ہاں! یہ تو واقعی ٹھیک ہے۔

اویس: پتہ نہیں یار آج کل موبائل فون نوجوان نسل میں اتنا مقبول کیوں ہو چکا ہے۔ اتنا تو کاروباری حضرات میں بھی نہیں۔

حارث: میرے دوست موبائل فون بوریت دور کرنے کا بہترین ذریعہ اور ذہنی تفریح کا باعث ہے۔

اویس: وہ کیسے؟

حارث: دیکھو بھئی! موبائل فون پر آپ گیمز، گانے وغیرہ سن سکتے ہیں۔

اویس: یہ تو وقت کا ضیاع ہے۔

حارث: صرف یہی نہیں آج کل تو میموری کارڈ اور یو۔ ایس۔ بی وغیرہ نے موبائل کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ آپ اس پر اپنی پسند کی ویڈیوز بھی دیکھ سکتے ہیں۔

اویس: (طنزاً ہنستے ہوئے) اچھا

حارث: تو پھر ہے نا تفریح طبع کا ذریعہ؟

اویس: ہرگز نہیں! البتہ بوریت دور کرنے کی بجائے اخلاقیات دور کرنے کا ذریعہ ہے۔

حارث: اخلاقیات؟ کیا مطلب؟؟؟

اویس: آج حالات تمھارے سامنے ہیں۔ اسی موبائل فون نے نوجوان نسل کے اخلاقیات کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ اور

ہر جگہ اخلاقیات سے عاری، کچے ذہن کے کند دماغ نوجوان بوالہوس بن کر دندناتے نظر آتے ہیں۔

حارث: تمھارا خیال ہے کہ نوجوان نسل کی تباہی موبائل کے استعمال کا نتیجہ ہے؟

اویس: جی ہاں! نوجوان نسل کی بربادی کے پیچھے موبائل فون کا بڑا ہاتھ ہے۔

حارث: تمھارا خیال ہے کہ نوجوان نسل موبائل فون استعمال نہ کرے؟

اویس: میں نے یہ تو نہیں کہا۔

حارث: پھر کیا خیال ہے تمھارا؟

اویس: موبائل فون ضرور استعمال کریں لیکن ضرورت کے مطابق، اعتدال اور میانہ روی کی ضرورت ہے۔

حارث: کیا مطلب؟

اویس: دیکھو بھئی! اب نوجوان ڈیلی پیکجز کی وجہ سے گھنٹوں فضول گفتگو اور SMS کرنے میں وقت ضائع کرتے ہیں۔

حارث: واقعی تمھاری بات تو ٹھیک ہے۔

اویس: موبائل فون ایک نعمت ہے لیکن اس کا استعمال غلط ہو رہا ہے۔ ورنہ موبائل فون ہی تو وہ ذریعہ ہے جس نے دنیا کو گلوبل ولیج یا انٹر کنیکٹڈ ٹاؤن میں تبدیل کر دیا ہے۔ موبائل نے فاصلے مٹا دیے ہیں بلکہ اب تو آپ ہزاروں میل دور بیٹھ کر نہ صرف بات کر سکتے ہیں۔ بلکہ اپنے ہم کلام کی براہِ راست تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔

حارث: فاصلوں کا مٹانا تو واقعی موبائل کا عظیم کارنامہ ہے۔

اویس: اس کے علاوہ موبائل سیٹ کے بھی بہت سے فوائد ہیں۔ سٹاپ واچ، کیلکولیٹر، الارم، کلاک اور مزید بھی کئی عوامل ہیں جو روزمرہ کے استعمال کے لیے نہایت موزوں ہیں۔

حارث: واقعی موبائل کا درست استعمال بہت مفید ہے۔

اویس: موبائل کا صحیح استعمال مفید اور غلط استعمال تباہ کن ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ موبائل کو استعمال ضرور کریں مگر صحیح طور پر۔

حارث: (کانوں سے ہیڈ فون اتارتے ہوئے) مجھے تمھاری رائے سے اتفاق ہے اور آئندہ بھی میں تمھاری باتوں سے مستفید ہوتا رہوں گا۔

اویس: مجھے خوشی ہے کہ تم ان حقائق کو جانچ کر صحیح فیصلہ کرنے کے قابل ہو گئے ہو۔

حارث: (گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے) اچھا اب چلتے ہیں مجھے دیر ہو رہی ہے۔

اویس: ٹھیک ہے خدا حافظ!

حارث: خدا حافظ!

اختتامی منظر نامہ:

(دونوں دوست مخالف اطراف میں رواں دواں ہیں۔ اب حارث موٹر سائیکل آہستہ اور احتیاط سے چلا رہا ہے)

13۔ دو دوستوں کے درمیان کمپیوٹر / انٹرنیٹ کے نقصانات اور افادیت پر مکالمہ

(فیصل آباد 2005، گوجرانوالہ 2010)

تمہیدی منظر نامہ

(عاطف اپنے کمرے میں کمپیوٹر پر موسیقی سن رہا ہے۔ اتنے میں باہر دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ عاطف اٹھ کر دروازہ کھولتا ہے تو اپنے ہم جماعت عمیر سے ملتا ہے۔ سلسلۂ کلام کا آغاز یوں ہوتا ہے)

عمیر: السلام علیکم!

وعلیکم السلام!

عاطف: خیریت تو ہے پورے محلے کو سر پر اُٹھا رکھا ہے؟

عمیر: کیا ہوا؟ کیا مصیبت آن پڑی ہے؟

عاطف: یہ جو تم نے اتنی بلند آواز میں گانے چلائے ہوئے ہیں کہ پورا محلہ لرز رہا ہے۔

عمیر: اچھا اندر آ جاؤ۔

عاطف: چلو! میرا تو خیال تھا کہ آج شاید تمھارا بٹھانے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔

عمیر: نہیں بھئی ایسی بات بھی نہیں۔

عاطف: (دونوں دوست کمرے میں بیٹھ جاتے ہیں)

عمیر: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کیسے کڑے ہاتھ ہیں کہ جو ان کی زد میں آ جائے نکل نہیں سکتا اور ان سحر انگیز آلات میں مقید شخص کسی بے بس ہاتھی کی طرح اِن کی دلدل میں دھنستا ہی چلا جاتا ہے۔

عاطف: (ہنستے ہوئے) کمپیوٹر اور انٹرنیٹ تفریحِ طبع کا ذریعہ ہیں۔

عمیر: وہ کیسے؟

عاطف: کمپیوٹر انسان کی تھکاوٹ دور کر سکتا ہے۔

عمیر: تھکاوٹ کا کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے کیا تعلق ہے؟

عاطف: تم بھی کیا بھولے ہو۔ انٹرنیٹ کی ویڈیوز اور آڈیو ویڈیو گانے وغیرہ۔ یہ سب تھکاوٹ کو پلک جھپکنے میں زائل کر دیتے ہیں۔

عمیر: (طنزاً) تم ان سے تھکاوٹ دور کرتے ہو؟

عاطف: میں تو زیادہ وقت کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی آغوش میں گزارتا ہوں۔

عمیر: اوہ خدارا!! ان نیم عریاں نہیں بلکہ قطعی عریاں ویڈیوز نے اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے۔

عاطف: یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟

عمیر: ہاں میں جانتا ہوں میری باتیں تمھاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے تمھاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ گناہ کی یہ انتہا ہوتی ہے کہ انسان گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا۔

عاطف: تم مجھ پر تنقید کر رہے ہو؟

عمیر: نہیں صرف تم پر نہیں۔ انٹرنیٹ نے تو سینکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ ہمارے لاکھوں نوجوانوں کو خوابِ غفلت کا شکار کر دیا ہے۔ یہ لوگ اس کے نقصانات سے ناواقف ہیں۔

عاطف: کیسے نقصانات؟

عمیر: اوّل تو یہ کہ اذہان خراب، دوم وقت کا ضیاع، سوم دولت کا ضیاع اور چہارم معاشرتی بے راہ روی اس کا نتیجہ ہے۔

عاطف: تمھارا کیا عقیدہ ہے کہ کمپیوٹر اور نیٹ کو استعمال نہ کیا جائے؟

عمیر: نہیں میں نے یہ کب کہا ہے۔

عاطف: تمھاری تنقید سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے۔

عمیر: ہرگز نہیں! میں نے صرف اس کے منفی پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے مثبت کی نہیں۔

عاطف: مثبت پہلو کون سے؟

عمیر: دیکھو بھئی! آج کے دور میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ اہم ضرورت ہیں۔ کمپیوٹر نے دنیا کو گلوبل ویلج میں تبدیل کر دیا ہے۔

عاطف: ہاں یہ تو ہے۔

عمیر: اس کے علاوہ انٹرنیٹ معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ آپ کسی بھی موضوع پر دنیا کی کسی بھی یونی ورسٹی اور کالج کے سکالرز کے لیکچرز وصول کر سکتے ہیں۔ اس طرح تعلیمی میدان میں یہ مفید ذریعہ ہے۔ آج اس متنوع اور ہمہ گیر ایجاد نے زندگی کے ہر شعبے میں اپنی جگہ بنالی ہے۔

عاطف: اس کے علاوہ اور کون کون سے شعبے ہیں؟

عمیر: بنکنگ کا شعبہ ہو یا ایجوکیشن کا میدان بلکہ اب تو مستقبل قریب میں انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کاروباری حیثیت اختیار کر رہا ہے اور خرید و فروخت کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے ہو جائے گی۔ اب بھی دنیا کے بعض ترقی یافتہ ممالک میں یہ طرز تجارت جاری ہے۔

عاطف: واقعی! میں اب تمھاری بات سمجھ رہا ہوں کہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کتنی بڑی نعمت ہے۔ لیکن ہم نے اسے سب سے بڑی زحمت بنالیا ہے۔ آئندہ میں اس کا درست استعمال کرنے کی کوشش کروں گا اور تعلیم پر اپنا وقت صرف کروں گا۔ مجھے تم جیسے دوست پر فخر ہے۔

عمیر: مجھے نہایت خوشی ہے کہ تم نے میری بات سمجھ لی (گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے) اچھا چلو مجھے دیر ہو رہی ہے میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ!

عاطف: اللہ حافظ!

اختتامی منظر نامہ

(عمیر مرکزی شاہراہ کے ہجوم میں غائب ہو جاتا ہے اور عاطف دروازے میں کھڑا اُسے دیکھ رہا ہے)

14۔ سبزی فروش اور گاہک کے درمیان مکالمہ

(ملتان 2009,10، بہاول پور 2011.12 فی بورڈ 13ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(ایک سبزی فروش نے ٹوکریوں میں سبزی سجا رکھی ہے اور ان کو تازہ رکھنے کے لیے ان پر پانی کا چھڑکاؤ بھی کر رہا ہے۔ اتنے میں ایک گاہک آتا ہے اور اس سے یوں ہم کلام ہوتا ہے)

گاہک: السلام علیکم!

سبزی فروش: وعلیکم السلام!

(گاہک چند لمحے سبزیوں کو تکتا رہتا ہے)

سبزی فروش: بتایئے جناب! کیا پیش خدمت کروں؟

گاہک: سبزی خریدنی ہے۔

سبزی فروش: وہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ سبزی خریدنی ہے لیکن کون سی سبزی؟ گوبھی، آلو، مٹر، پالک، میتھی، بینگن، اروی کدو، ٹینڈے، بھنڈی، توری یا ساگ۔۔۔۔۔۔

گاہک: (ٹوکتے ہوئے) بس کیجیے جناب! آپ تو ایسے بتا رہے ہیں جیسے مجھے تمام دکان خریدنی ہے۔ اچھا ذرا پالک۔۔۔ (چند لمحے رُک جاتا ہے)

سبزی فروش: جی جی کیا کہہ رہے تھے آپ؟ پالک۔۔۔۔۔!

ہاں میں سوچ رہا ہوں کہ پالک ہی لے لوں۔

گاہک: جلدی بتایئے میں تول دیتا ہوں۔

سبزی فروش: اچھا یہ پالک کیا بھاؤ ہے؟

گاہک: (پالک کا گچھا اُٹھاتے ہوئے) یہ دیکھیے پالک، بالکل تازہ اور سرسبز، سو گچھے ذرا، اس کی خوش بو آپ کے

سبزی فروش: رگ و پے میں سرایت کر جائے گی۔

پہلے آپ قیمت بتائیں؟

گاہک: جناب! پالک بیس روپے کلو۔

سبزی فروش: (ہکلاتے ہوئے) کیا کیا؟ بیس روپے؟؟؟ مقامی سبزی اور قیمت کا یہ حال؟

گاہک: بس جناب مہنگائی کی شدت آپ کے سامنے ہے۔

سبزی فروش: اچھا تنقید و تبصرہ کو چھوڑیے اور بتایئے کہ بارعایت کتنے روپے ہوں گے؟

گاہک: رعایت کی گنجائش تو نہیں۔ چلو آپ کا لحاظ کرتے ہوئے اٹھارہ روپے ہو جائے گی۔

سبزی فروش: اچھا بس بحث میں مت پڑو۔ پچاس روپے کی تین کلو دے دو۔

گاہک: (تولتے ہوئے) بس جناب مناسب تو نہیں پھر بھی چلیں لے جایئے۔

سبزی فروش: (سبزی فروش تین کلو پالک تول کر ایک طرف رکھ دیتا ہے)

گاہک: اچھا اروی کیسے کلو ہے؟

سبزی فروش: ستر روپے کلو۔

گاہک: بس بس رہنے دیجیے۔ آلو ہی ٹھیک رہیں گے۔ میں نے سوچا تھا کہ پالک میں اروی ڈال لی جائے تو سبزی

بڑھ جائے گی۔ لیکن جیب متحمل نہیں ہے۔ آلو کیا بھاؤ ہیں؟

سبزی فروش: نمکین آلو چالیس روپے اور میٹھے آلو بیس روپے کلو۔

گاہک: میٹھے آلوؤں کی قیمت کم کیجیے۔

سبزی فروش: نہیں نہیں جناب! اس سے ایک روپیہ بھی کم نہیں ہوگا۔

گاہک: اچھا چلو پینتیس روپے کے دو کلو دے دو۔

(سبزی فروش پہلے نہیں مانتا لیکن مسلسل اصرار کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے)

سبزی فروش: (تولتے ہوئے) لیجیے جناب اور حکم کیجیے۔

گاہک: بھنڈی کی کیا قیمت ہے؟

سبزی فروش: بھنڈی پچاس روپے کلو ہے۔

گاہک: کوئی رعایت، کوئی گنجائش؟

سبزی فروش: بس پینتالیس روپے ہو جائے گی۔

گاہک: چلو تول دو۔ اب کیا بحث کی جائے؟

سبزی فروش: کتنی؟

گاہک: ایک کلو۔

سبزی فروش: لیجیے جناب۔ مزید فرمایئے۔

گاہک: کتنے پیسے ہو گئے؟

(سبزی فروش حساب شروع کر دیتا ہے لیکن اسی اثنا میں گاہک اُسے ٹوک دیتا ہے)

گاہک: اوہو! یاد آیا پیاز بھی لینے تھے۔

سبزی فروش: پیاز کتنے ہوں؟

گاہک: قیمت کیا ہے؟

سبزی فروش: بیس روپے کلو۔

گاہک: چلو پانچ کلو نوے کے لگاؤ۔

(سبزی فروش چپ چاپ تولنا شروع کر دیتا ہے)

سبزی فروش: لیجیے جناب۔

گاہک: کتنے پیسے ہو گئے؟

سبزی فروش (کیلکولیٹر تھام کر حساب کرتا ہے، پچاس، پینتیس، پینتالیس اور نوے) دو سو بیس روپے

(سبزی فروش چاروں تھیلوں کو ایک بڑے تھیلے میں ڈال دیتا ہے)

گاہک: (پیسے دیتے ہوئے) یہ لیجیے دو سو بیس روپے۔

سبزی فروش: (گن کر) ٹھیک ہیں۔

گاہک: اچھا اللہ حافظ۔

سبزی فروش: اللہ حافظ۔

اختتامی منظر نامہ

(گاہک سبزی کا تھیلا اُٹھا کر گھر کی جانب چل دیتا ہے)

15۔ دو دوستوں کے درمیان ڈینگی ایک وبا کے عنوان پر مکالمہ

تمہیدی منظر نامہ:

(عاطف اور ثاقب دونوں ایک ہی کالج میں پڑھتے ہیں۔ عاطف وقفہ کے دوران کالج کے صحن میں کرسی پر بیٹھا ہے۔ ثاقب اس کے پاس آتا ہے اور دونوں میں گفتگو کا آغاز کچھ یوں ہوتا ہے)

ثاقب: السلام علیکم!

عاطف: وعلیکم السلام!

ثاقب: آج آپ کا ہم جماعت زوہیب دکھائی نہیں دے رہا۔ کیا وہ چھٹی پر ہے؟

عاطف: جی ہاں! اسے ڈینگی بخار ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ آج غیر حاضر ہے۔

ثاقب: یہ تو بڑی افسوس ناک خبر ہے۔

عاطف: جی ہاں! آج ہمارے ملک خصوصاً پنجاب میں ڈینگی بخار بہت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اس بیماری کی وجہ سے کتنے ہی لوگ زندگی کی بازی ہار چکے ہیں۔

ثاقب: سنا ہے کہ اس بیماری کے علاج کے لیے کوئی ویکسین بھی دریافت نہیں ہوئی۔

عاطف: جی ہاں! یہ حقیقت ہے لیکن بیماری جو بھی ہو اس سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ ڈینگی بخار سے بچاؤ کے لیے اگر احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جائیں تو اس سے بچاؤ ممکن ہے۔

ثاقب: اس سے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر کیا ہیں؟

عاطف: اس سے بچاؤ کی تدابیر آسان ہیں۔ چوں کہ اس بیماری کا سبب بننے والے مچھر پانی پر پرورش پاتے ہیں اس لیے گھر میں اور گھر سے باہر پانی جمع نہیں ہونا چاہیے۔ صفائی کا خیال رکھنا چاہیے اور کھانے پینے کی اشیا کو ڈھانپ کر رکھا جائے۔

ثاقب: اس سے بچاؤ کے لیے مزید کن احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنا چاہیے؟

عاطف: مچھر مار اسپرے کیا جائے جسے ڈینگی بخار ہو تو اسے مچھروں سے بچانے کے لیے رات کو سوتے وقت مچھر دانی کا استعمال کرنا چاہیے تاکہ مچھر بیماری کے جراثیم دوسرے افراد میں منتقل نہ کر سکے۔

ثاقب: ڈینگی کے مریض کو دوائیں کون سی دی جاتی ہیں؟

عاطف: اس بیماری کا کوئی خاص علاج نہیں، آرام کرنے اور پیراسیٹامول کے استعمال سے ہی مریض ایک ہفتے میں صحت یاب ہو جاتا ہے۔

ثاقب: حکومت بھی اس بیماری کی روک تھام کے لیے اقدامات کر رہی ہے اور عوام کو بھی چاہیے کہ بیماری سے بچاؤ کے لیے حفاظتی اقدامات کرے تاکہ لوگ محفوظ رہ سکیں۔

عاطف: ہسپتالوں میں بھی صفائی کا خاص انتظام ہونا چاہیے۔ کیوں کہ وہاں سے بھی اس کے پھیلنے کا خطرہ ہے۔

ثاقب: یہ مرض سب سے پہلے کہاں سے پھیلا اور اس کے پھیلاؤ کا سبب کون سا مچھر ہے؟

عاطف: یہ مرض سب سے پہلے افریقہ میں پایا گیا اور پھر پورے ایشیا میں پھیلا۔ ایڈیز مچھر اس بیماری کے پھیلاؤ کا ذریعہ ہے۔

ثاقب: سنا ہے کہ یہ مچھر سری لنکا سے درآمد کیے جانے والے ٹائروں کے ذریعے پاکستان میں آئے۔ لیکن ٹائروں میں مچھر کیسے آ سکتے ہیں؟

عاطف: ان ٹائروں میں صاف پانی موجود تھا جن میں ان کی پرورش ہوئی۔

ثاقب: کیا آپ کو اس بیماری کی علامات کا پتہ ہے جن کے ذریعے اس کی نشاندہی ہوتی ہے۔

عاطف: جی ہاں! اس بیماری میں جسم پر سرخ دھبے نمایاں ہوتے ہیں۔ سر میں درد، آنکھوں میں درد، ریڑھ کی ہڈی میں بھی درد ہوتا ہے۔ دراصل ڈینگی وائرس ہمارے خون کے سفید خلیوں کی تعداد کو خطرناک حد تک کم کر دیتا ہے۔

ثاقب: پھر تو یہ انتہائی ضروری ہے کہ جب کسی میں یہ علامتیں ظاہر ہوں تو فوراً ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے اور علاج میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

عاطف: جی ہاں بالکل! مریض کو دوسرے لوگوں سے الگ رکھنا چاہیے اور اسے نرم غذا دینی چاہیے۔

ثاقب: عاطف بھائی! آپ کو یہ معلومات کہاں سے ملیں؟

عاطف: انٹرنیٹ اور مختلف اخبارات سے ڈینگی کے بارے میں معلومات ملی ہیں۔

ثاقب: اس سے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ یہ بیماری اتنی خطرناک نہیں ہے بلکہ اس بیماری کے متعلق کم آگاہی خطرناک ہے۔ اگر لوگوں کو اس بیماری کے بارے میں آگاہی اور شعور ہو تو وہ اس سے بچ سکتے ہیں۔

عاطف: حکومت بھی اس بیماری سے بچاؤ کے لیے خاطر خواہ کردار ادا کر رہی ہے۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے بھی عوام میں شعور اور واقفیت بڑھ رہی ہے۔

ثاقب: درحقیقت یہ بیماری ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدالناس

ترجمہ: زمین پر جو فسادات نمودار ہوتے ہیں وہ انسانوں کے اپنے ہاتھوں کے کرتوت ہیں۔

ایک شاعر کے بقول:

جاری ہے ازل سے یہ قانونِ الٰہی
اعمال بگڑتے ہیں تو آتی ہے تباہی

عاطف: جی ہاں! نہ صرف یہ بیماری بلکہ آج کل تو نت نئی بیماریاں پھیل رہی ہیں، جن کا پہلے نام ونشان بھی نہ تھا۔ ہمیں اپنے اعمال درست کرنے چاہییں اور اللہ سے رجوع کریں۔

ثاقب: آپ نے بالکل بجا فرمایا۔

عاطف: اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفظ وامان میں رکھے اور اس جیسی تمام موذی بیماریوں سے بچائے۔

ثاقب: آمین: آپ کا بہت شکریہ بھائی عاطف! آپ نے مجھے مفید معلومات سے آگاہ کیا۔ میں آج ہی اپنے گھر والوں اور دوستوں کو معلومات فراہم کروں گا۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ زوہیب کو اس مرض سے نجات عطا کرے۔

عاطف: آمین۔

اختتامی منظرنامہ:

(وقفہ کے اختتام کی گھنٹی بجتی ہے تو دونوں دوست اپنے اپنے جماعت کے کمرے کی طرف چل پڑتے ہیں)

16۔ دو دوستوں کے درمیان توانائی کا بحران کے عنوان پر مکالمہ

تمہیدی منظرنامہ:

(ثاقب اور شعیب ایک ہی محلہ میں رہتے ہیں۔ شعیب، ثاقب سے ملنے کے لیے اس کے گھر جاتا ہے اور دونوں میں سلسلہ کلام کا آغاز ہوتا ہے)

شعیب: السلام علیکم!

ثاقب: وعلیکم السلام!

شعیب: خیریت تو ہے ثاقب: کیوں پریشان بیٹھے ہو؟

ثاقب: نہ گیس ہے اور نہ ہی بجلی، یہ بھی کوئی زندگی ہے بھلا۔

شعیب: حالات سے اس قدر شکوہ کیوں! صبر سے کام لو۔ اگر آج ہمارے ہاں توانائی کا بحران ہے تو ان شاء اللہ آئندہ آنے والے وقتوں میں فراوانی ہوگی۔

ثاقب: کب ہوں گے حالات تبدیل! پچھلے کئی سالوں سے پاکستان کے عوام گیس اور بجلی کی کمی کا سامنا کر رہے ہیں۔ لیکن کسی بھی حکومت نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔

شعیب: یہ تو ہے۔ آج عوام کو نہ صرف بجلی اور گیس بلکہ پٹرول اور سی۔ این۔ جی کی قلت کا بھی سامنا ہے۔

ثاقب: آخر کوئی تو وجہ ہوگی اس بحران کی؟

شعیب: بجلی کی کمی کی اولین وجہ ڈیموں اور پانی کی کمی ہے۔ ہماری ہر حکومت نے اس معاملے میں لاپروائی کا مظاہرہ کیا ہے جب کہ ہمسایہ ملک بھارت نے پچھلے چند سالوں میں [illegible] ڈیم بنائے

ہیں۔ جن میں سے کالا باغ ڈیم اب بھی سیاسی اختلافات کی نذر ہے۔

ثاقب: بجلی اور گیس کی کمی سے نہ صرف کارخانوں اور فیکٹریوں بلکہ گھریلو صارفین کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ہادی: اس سے قبل جب بجلی کی لوڈ شیڈنگ ہوتی تھی تو اس قدر پریشانی نہیں ہوتی تھی کیوں کہ گیس کی مدد سے کافی کام ہو جاتے تھے، لیکن اب گیس بھی ناپید ہے اور گھریلو صارفین سلنڈر اور لکڑیاں استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔

ثاقب: بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ سے طلبا کا مستقبل بھی داؤ پر لگ رہا ہے۔ سارا دن سکول و کالج میں رہنے کے بعد رات کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ جب پڑھائی توجہ سے کر سکتے ہیں لیکن یہ قیمتی وقت بھی بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ کی نذر ہو جاتا ہے

ہادی: گیس، تیل اور سی این جی کی قلت سے عوام کو بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ پٹرول پمپ اور سی این جی سٹیشن پر گاڑیوں کی قطاریں لگی ہوتی ہیں۔

ثاقب: اس بحران نے نہ صرف ہمارے ملک بلکہ دنیا کے کئی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ہر ملک گیس اور تیل کے نئے ذخائر کی تلاش میں ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہوتی ہے۔

ہادی: سارا دن بجلی اور گیس نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ لیکن ان کا بل آتا ہے تو ہوش اڑ جاتے ہیں۔

ثاقب: اسی لیے تو انور مسعود نے کہا تھا:

جو چوٹ بھی لگی ہے وہ پہلی سے بڑھ کے تھی
ہر ضرب کرب ناک پہ میں تلملا اٹھا
پانی کا، سوئی گیس کا، بجلی کا، فون کا
بل اتنے مل گئے ہیں کہ میں بلبلا اٹھا

ہادی: واہ! واہ! سخن شناس ہو گئے ہو۔

ثاقب: ایسے نامساعد حالات ہی تو انسان کو زبان دے دیتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو ملک توانائی کے بحران کے بھنور میں اس قدر پھنس چکا ہو اس کا مستقبل کیا ہوگا؟

ہادی: مستقبل کا تو صرف اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ جب تک عوام اپنے حالات بدلنا نہ چاہے گی تو اللہ بھی اس قوم کی حالت نہیں بدلے گا۔

ثاقب: اس لیے بحران پر قابو پانے کے لیے ہمیں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

ہادی: ہمیں چاہیے کہ ذاتی گاڑیوں کی بجائے پبلک ٹرانسپورٹ کو ترجیح دیں۔ بلب کی بجائے انرجی سیور استعمال کریں۔ گیس کا چولہا صرف ضرورت کے وقت ہی استعمال کریں۔

ثاقب: حکومت کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

ہادی: اگر حکمران چاہیں تو بحران کا حل بخوبی نکالا جا سکتا ہے لیکن بدقسمتی سے پاکستان کو ایسے حکمران ہی میسر نہیں ہیں کہ جنھیں عوام کے دکھوں کا ذرا بھی احساس ہو۔

ثاقب: یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں گیس اور بجلی کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ عوام جتنی پریشانی میں مبتلا ہے۔

ہادی: گیس کے بحران کو ختم کرنے کے لیے ایران گیس پائپ لائن بچھانے کے لیے تیار ہے لیکن ہمارے حکمرانوں نے امریکہ کے خوف سے اس منصوبے کو بھی التوا میں ڈالا ہوا ہے۔

ثاقب: میرے خیال میں تو حکومت کو چاہیے کہ وہ تیل اور گیس کے نئے ذخائر کی تلاش کی طرف توجہ دے اور اس مقصد کے لیے کثیر رقم مختص کرے۔

شعیب: دراصل حکومت اور عوام کی مشترکہ کوششوں سے اس بحران پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

ثاقب: جی ہاں! بالکل آپ نے بجا فرمایا۔

شعیب: اچھا بھائی ثاقب! اب مجھے اجازت دیں۔ اللہ حافظ

ثاقب: اللہ حافظ

اختتامی منظر:

(شعیب اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتا ہے)

17۔ بجلی کی بار بار بندش (لوڈ شیڈنگ) پر دو دوستوں کے درمیان مکالمہ

(گوجرانوالہ بورڈ 2012، ملتان بورڈ 2009ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(یاسر اپنے سپر سٹور پر بیٹھا ہے۔ اس کا دوست عامر اس کے پاس آتا ہے اور یوں گفتگو شروع ہوتی ہے)

عامر: السلام علیکم!

یاسر: وعلیکم السلام!

عامر: کیا حال ہے، آپ کا؟

یاسر: الحمد للہ! میں ٹھیک ہوں۔

عامر: سناؤ! آپ کا سپر اسٹور کیسا چل رہا ہے؟

یاسر: شکر ہے اللہ کا۔ (اتنے میں بجلی چلی جاتی ہے)

عامر: افوہ! یہ بجلی ڈھائی گھنٹے بعد تو آئی تھی اور دس منٹ بعد اب پھر چلی گئی ہے۔ گرمی سے برا حال ہو رہا ہے۔

یاسر: آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، آج کل بجلی کی لوڈ شیڈنگ بڑھ گئی ہے۔

عامر: دن میں پندرہ سے سولہ گھنٹے بجلی نہیں آتی، اتنی شدید گرمی میں بھی لوڈ شیڈنگ جاری ہے۔

یاسر: ہر جگہ بجلی کی بندش کا یہی حال ہے۔ آئے روز اخبارات اور ٹیلی ویژن پر گرمی کی شدت سے اموات کی خبریں ملتی ہیں اور دل اداس ہو جاتا ہے۔

عامر: بجلی کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے غریب لوگوں کو کھانے کے لیے پیسا بھی نصیب نہیں ہوتا۔

یاسر: بجلی کی اس بار بار بندش کی وجہ سے عوام بہت پریشان ہے، رات کو سوئیں تو بجلی نہیں ہوتی اور صبح آنکھ کھلے تو بھی بجلی غائب۔

عامر: موجودہ دور میں سارے کام بجلی سے ہوتے ہیں، اگر بجلی نہ ہو تو انسان سارے کاموں کے لیے فارغ بیٹھا رہتا ہے۔

یاسر: گھریلو استعمال کے علاوہ کارخانوں، ملوں اور فیکٹریوں میں بھی بجلی کا استعمال ہوتا ہے۔ بجلی کی کمی سے ان میں بھی کام مکمل نہیں ہوتا۔

عامر: جب بجلی ہی نہ ہو تو کام کیسے ہو؟ فیکٹریاں، کارخانے اور ملیں بند ہو رہی ہیں اور لاکھوں لوگ بے روزگار ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اس سے ملک کو بہت نقصان ہو رہا ہے۔

یاسر: اس طرح عوام اپنی ضروریات بھی نہیں پورا کر سکتی۔ جب پیسہ ہی نہ ہو تو سکون کہاں۔

عامر: بجلی کی بار بار لوڈ شیڈنگ سے باہر ہو تو بھی بجلی کا بل بہت زیادہ آتا ہے۔

دیکھ لو! میرے اسٹور کا بل پانچ ہزار اور گھر کا بھی اتنا ہی ہے۔ اتنے پیسے خرچ کر کے بھی بجلی نہیں ملتی۔ آخر عوام جائے تو جائے کہاں؟

یاسر:

بے چارے لوگوں کا جینا دوبھر ہو گیا ہے اور اس شدید گرمی میں بڑی مصیبت سے زندگی گزر رہی ہے۔ عوام پیسے ادا کر کے بھی سہولتوں سے محروم ہے کہ:

عامر:

زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

بجلی کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں، ہر روز فی یونٹ بجلی بڑھا کر عوام پر بجلی گرا دی جاتی ہے۔

یاسر:

جب بجلی نہ ملے تو لوگوں کو بجلی کے لیے دوسرے ذرائع ڈھونڈنے پڑتے ہیں مثلاً یو۔ پی۔ ایس اور جنریٹر وغیرہ، اس طرح دُگنے پیسے خرچ ہوتے ہیں۔

عامر:

حکومت کو بجلی کی پیداوار بڑھانے کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔

یاسر:

حکومت! حکومت سے امید رکھنا تو میرے خیال میں خام خیالی ہے۔ حکومت کو عوام کے مسائل کی کیا فکر، یہ لوگ تو محلوں میں عیش و سرور میں مگن ہیں۔ علامہ اقبال نے بجا فرمایا ہے:

عامر:

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اسے حکمراں کی ساحری

یہ بھی نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں بجلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ پانی بجلی پیدا کرنے کا کتنا اچھا ذریعہ ہے لیکن حکمرانوں کی اس طرف توجہ ہی نہیں ہے۔

یاسر:

کالا باغ ڈیم کا منصوبہ کب سے التوا میں پڑا ہے، اگر دریاؤں اور ڈیموں کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے تو اس سے بجلی وافر مقدار میں پیدا ہو سکتی ہے اور عوام کو سہولت مہیا کی جا سکتی ہے۔

عامر:

لیکن ان سہولیات سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔

یاسر:

اگر بجلی کی لوڈ شیڈنگ اسی طرح جاری رہی تو عوام کے مسائل تو ایک طرف، کاروبار بھی بالکل ٹھپ ہو کر رہ جائیں گے۔ لوگوں کے بے روزگار ہونے کی وجہ سے ملکی معیشت تباہ ہو جائے گی۔

عامر:

حکومت کو بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے خلاف کچھ کرنا چاہیے اور اس کی پیداوار میں اضافہ کرنا چاہیے۔

یاسر:

تم ٹھیک کہتے ہو اللہ کرے ایسا ہو!

عامر:

اللہ آپ کی دعا قبول کرے۔

یاسر:

اب اجازت، میں چلتا ہوں، اللہ حافظ!

عامر:

اللہ حافظ!

یاسر:

اختتامی منظر نامہ:

(عامر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتا ہے اور یاسر گاہک کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے)

18۔ دو طالبات کے درمیان امتحان کی تیاری کے بارے میں مکالمہ

(ملتان بورڈ 2006، لاہور بورڈ 2009، بہاول پور 2011، سرگودھا 2013ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(بشریٰ کالج کی لائبریری میں بیٹھی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی ہے کہ سامنے سے اسے عمارہ آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور دونوں میں یوں گفتگو شروع ہوتی ہے)

عمارہ: السلام علیکم!

بشریٰ: وعلیکم السلام!

عمارہ: کیا بات ہے؟ پریشان نظر آ رہی ہو۔

بشریٰ: ہاں بھئی! امتحان سر پر ہے، اس کی تیاری کے حوالے سے پریشان ہوں۔

عمارہ: اچھا اس وجہ سے پریشان ہو، فکر نہ کرو ہم دونوں مل کر تیاری کریں گے۔

بشریٰ: وہ کیسے؟

عمارہ: امتحان کی تیاری کے لیے ایک شیڈول ہونا چاہیے، جس کے مطابق ہر مضمون کو ایک ایک گھنٹہ دینا چاہیے اور جس مضمون کی تیاری مشکل محسوس ہو اسے زیادہ وقت دو۔

بشریٰ: ہاں یہ تو ہے، اگر روز کا کام روز کیا جائے اور محنت شروع سے کی جائے تو امتحان کی تیاری آسان ہو جاتی ہے۔

عمارہ: تم صحیح کہہ رہی ہو ویسے بھی ''محنت میں عظمت ہے''

بشریٰ: ہاں اگر روزانہ کا کام روزانہ نہ کیا جائے تو وہ بھول جاتا ہے اور امتحان کی تیاری میں مشکل ہوتی ہے۔

عمارہ: لیکن ہر وقت نصابی کتب پڑھنا بھی صحیح نہیں، کچھ وقت آرام، سیر اور تفریح کے لیے بھی نکالنا چاہیے۔

بشریٰ: تم تو ذہانت میں لاجواب ہو، ایک ہم ہیں کہ کچھ پلے ہی نہیں پڑتا۔

عمارہ: نہیں یہ بات نہیں ہے۔ اللہ نے سب کو دماغ دیا ہے صرف اسے استعمال کرنے کا سلیقہ آنا چاہیے۔ جو بھی پڑھو سوچ سمجھ کر پڑھو اور ذہن نشین کر لو۔

بشریٰ: لیکن جو باتیں سمجھ نہ آئیں۔

عمارہ: اس کے لیے اساتذہ کرام سے مدد لو۔

بشریٰ: اور گائیڈز اور ٹیسٹ پیپروں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے۔

عمارہ: ہاں! یہ بھی برے نہیں ہیں لیکن یہ خیال رکھو کہ جو بھی کتاب پڑھو وہ معیاری ہو، اس کے علاوہ زائد کتب کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے۔

بشریٰ: لیکن زائد کتب کے پڑھنے کا وقت نہیں ملتا۔

عمارہ: نہیں ایک طے شدہ پروگرام کے تحت پڑھنا چاہیے۔ نصابی کتب بھی پڑھنی چاہییں لیکن کچھ اخبار کے لیے بھی وقت نکالنا چاہیے۔ اور دیگر ادبی، دینی اور معلوماتی کتابیں بھی ضرور پڑھنی چاہییں۔

بشریٰ: تمھاری نصیحتیں بہت عمدہ ہیں، میں ان پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔

عمارہ: اس کے علاوہ بھی تمھیں کسی مضمون میں مشکل ہو تو بتائیے گا میں خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

بشریٰ: بھئی یہ انگریزی میرے بس کا روگ نہیں، یہ غیر ملکی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی۔

میری انگریزی اچھی ہے، میں تمھاری مدد کر سکتی ہوں۔

ثمارہ: اور تمھیں فزکس میں مشکل ہوتی ہے، میں جانتی ہوں اس کے لیے میری خدمات حاضر ہیں۔

بشریٰ: ہاں! ٹھیک ہے۔

ثمارہ: ہمیں اردو اور اسلامیات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ نسبتاً آسان ہیں لیکن اصل مسئلہ اچھے نمبروں کا ہے۔

بشریٰ: ہاں! ہمیں ان کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

ثمارہ: آج کی ملاقات اور یہ بات چیت خوب رہی، اب امتحان کی تیاری میں آسانی ہوگی۔

بشریٰ: ان شاء اللہ!

ثمارہ: اب ہمیں جماعت کے کمرے میں چلنا چاہیے۔

بشریٰ:

اختتامی منظر نامہ:

(پیریڈ کی گھنٹی بجتی ہے اور دونوں جماعت کے کمرے کی طرف جاتی ہیں)

19۔ باقاعدہ کلاس لینے کے فوائد پر دو طالب علموں کے درمیان مکالمہ

(لاہور بورڈ 10-2005ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(اویس سڑک کے کنارے جا رہا ہے کہ اچانک اس کی ملاقات اس کے دوست علی سے ہوتی ہے اور ان کے درمیان سلسلہ گفتگو یوں شروع ہوتا ہے)

اویس: السلام علیکم!

علی: وعلیکم السلام!

اویس: جناب خیر تو ہے کہاں رہے اتنے دن، پچھلے چھے دنوں سے کالج ہی نہیں آ رہے، کوئی مسئلہ ہے کیا؟

علی: نہیں! مسئلہ تو کوئی نہیں۔

اویس: پھر کالج سے اتنے دن غیر حاضری کی کیا وجہ؟

علی: بس ویسے ہی نہیں آیا، دل نہیں کر رہا تھا پڑھنے کو۔

اویس: مگر یار چھے دن! اتنے دن تم نے ضائع کر دیے؟

علی: نہیں ضائع نہیں کیے، تھوڑا بہت پڑھا بھی ہے۔

اویس: ابھی تو ہمارا نصاب شروع ہی ہوا ہے اور تم نے ابھی سے ہی اتنی چھٹیاں کرنا شروع کر دیں۔ یہ تو تم نے اپنا بڑا نقصان کیا ہے۔

علی: کیسا نقصان؟ یار! ابھی پورا سال باقی ہے۔ پڑھ لیں گے اور پاس بھی ہو جائیں گے۔

اویس: مگر تم نے جو کلاسیں چھوڑ دی ہیں، اب دوبارہ تمھیں یہ موقع نہیں ملے گا۔ کیا تم جانتے نہیں:

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں

علی: یار تم بہت عجیب باتیں کر رہے ہو، مجھے تمھاری باتیں سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ آخر چند دن کلاس نہ لینے سے کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔

اویس: دیکھو یار باقاعدہ کلاس لینے کے بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔ اگر آپ روز کا کام روز نہیں کرتے اور اپنا سبق کسی وجہ سے یاد نہیں کر پاتے، تو پھر بھی فارغ وقت میں اسے یاد کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ہمیں اس کے بارے میں سمجھ بوجھ تو ہوتی ہے۔

علی: ہاں یہ تو ہے مگر ایک طالب علم کے لیے آرام بھی تو ضروری ہوتا ہے۔

اویس: آرام کے لیے ہفتے میں ایک چھٹی کافی ہے اور ہمیں محنت کی عادت ڈالنا چاہیے کیوں کہ

"مسلسل محنت کامیابی کا راز ہے"

علی: تمھاری بات بالکل ٹھیک ہے۔

اویس: اگر اس دنیا میں کوئی نام پیدا کرنا ہے تو ہمیں سخت محنت کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ مشہور ہے کہ:

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

علی: ہاں یار! یہ بات تو ہے، اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔

اویس: اگر ہم باقاعدہ کلاس لیں گے تو اساتذہ کرام کی نظر میں بھی اچھے طالب علم تصور ہوں گے اور ہماری باقاعدگی اساتذہ کرام کے ساتھ اچھے تعلقات کی استواری میں معاون ثابت ہوگی ہے۔

علی: اب میں بھی باقاعدہ کلاس لوں گا۔

اویس: کیا میں یہ امید رکھوں کہ تم کل کالج ملو گے۔

علی: جی ہاں بالکل! کیوں نہیں۔

اویس: اب میں چلتا ہوں۔ اچھا اللہ حافظ!

علی: اللہ حافظ!

اختتامی منظر نامہ:

(دونوں دوست مخالف سمت میں چل پڑتے ہیں۔)

20۔ کیبل کے فوائد اور نقصانات کے عنوان پر دو دوستوں کے درمیان مکالمہ

تمہیدی منظر نامہ:

(جمشید سٹی پارک میں بنچ پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا دوست ہارون آتا ہے اور یوں ہم کلام ہوتا ہے)

ہارون: السلام علیکم!

جمشید: وعلیکم اسلام!

ہارون: جمشید کیسے ہو؟

جمشید: میں ٹھیک ہوں۔

ہارون: نہیں بھئی تمھارے چہرے سے پریشانی اور اداسی عیاں ہو رہی ہے۔

جمشید: بس یار کیا بتاؤں، چھوٹا بھائی میٹرک میں فیل ہو گیا ہے۔

ہارون: تمھارا مطلب ہے کہ علی فیل ہو گیا ہے۔

کل اس کا نتیجہ آیا ہے، دو مضامین میں فیل ہوا ہے۔

جمشید: یہ تو واقعی بُری خبر ہے، لیکن وہ تو اچھا خاصا ''پڑھاکو'' بچہ تھا۔

ہارون: جب سے گھر میں کیبل آئی ہے زیادہ تر وقت کیبل پر نشر ہونے والے پروگرام دیکھنے میں گزارتا ہے۔

جمشید: کیبل کے بے جا استعمال سے یہی تو نقصانات ہوتے ہیں، جو لوگ ضرورت سے زیادہ اس میں دل چسپی لیتے ہیں

ہارون: انھیں بالآخر ناکامی کا منھ دیکھنا پڑتا ہے۔

میں تو کہتا ہوں کہ کیبل نے ہماری زندگی اجیرن کر دی ہے۔

جمشید: نہیں میرے بھائی! یہ کیبل کا قصور نہیں ہے بلکہ اس کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔

ہارون: وہ کیسے؟

جمشید: دیکھو بھئی! چھری میں کاٹنے کی صلاحیت ہے، چاہے اس سے پھل کاٹ لیں یا کسی کی گردن۔

ہارون: کیبل نے تو لوگوں سے فرصت کے لمحات چھین لیے ہیں۔ طالب علموں سے کتابیں چھین لی ہیں۔ پڑھائی کا شوق

جمشید: تقریباً ختم ہوتا جا رہا ہے۔ لوگ سرِ شام ہی ٹی۔ وی کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔

ہارون: اس میں بھی ہمارا ہی قصور ہے، ترقی یافتہ ممالک میں کیبل کے باوجود کسی قسم کا تعلیمی تعطل نہیں، طلبا باقاعدگی سے اپنی پڑھائی میں دل چسپی لیتے ہیں، وہاں کیبل کی مدد سے معلوماتی لیکچرز اور اسباق کی تیاری میں معاونت لی جاتی ہے اور ہم کیبل پر صرف بھارتی فلمیں دیکھتے ہیں۔

جمشید: اس کیبل نے ہماری نئی نسل کو فحاشی، عریانی اور بے حیائی کے سوا دیا ہی کیا ہے۔ ہم اپنی تہذیب و تمدن سے دور ہو گئے ہیں۔ ہمارا کلچر مسخ ہو گیا ہے۔ ہماری تہذیب میں آہستہ آہستہ بھارتی تہذیب سرایت کرتی جا رہی ہے۔ نوجوان نسل روزمرہ کی بول چال میں ہندی الفاظ کا استعمال کر رہی ہے۔ اس سے بڑا المیہ کیا ہو سکتا ہے۔

ہارون: لیکن کیبل پر چند چینلز ایسے بھی ہیں جن میں عریانی اور فحاشی کا نام تک نہیں بلکہ اسلام کے فروغ کے لیے کاوشیں ہو رہی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ایسے مفید چینلز سے استفادہ کریں۔

جمشید: لیکن یہ جو جگہ جگہ کیبل کنکشن کی وجہ سے منی سینما ہاؤس کھل گئے ہیں جہاں عریاں اور فحش فلمیں دکھائی جا رہی ہیں۔ طلبہ تعلیمی اداروں کی بجائے منی سینما ہاؤس میں قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں۔

ہارون: والدین کو بھی اپنے بچوں کو اس بات کا احساس دلانا چاہیے کہ پڑھائی کے وقت پڑھائی اور تفریح کے وقت تفریح کو ترجیح دیں اور پڑھائی کو تمام معمولات میں اولیت دیں۔

جمشید: مہنگائی نے لوگوں کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ والدین روزمرہ اور بچوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے دن رات مصروف رہتے ہیں۔ ان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بچوں کی مکمل نگرانی کر سکیں۔

ہارون: بہرحال، میری رائے ہے کہ تمھیں علی کو سمجھانا چاہیے۔ وہ پڑھائی کی طرف ضرور توجہ دے گا۔ اس کا کچھ ایسا وقت بتاؤ جس میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ تفریح کا وقت بھی ہو۔

جمشید: شکریہ ہارون! آپ نے بڑی مفید باتیں بتائیں اور مناسب رائے دی۔ میں علی کو ضرور سمجھاؤں گا۔

ہارون: اچھا بھائی جمشید! کافی دیر ہو گئی ہے، اب ہمیں چلنا چاہیے۔

اختتامی منظر نامہ:

(دونوں دوست اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں)

21۔ ٹریفک کے بڑھتے ہوئے حادثات کے عنوان پر دو دوستوں کے درمیان مکالمہ

(لاہور بورڈ 2010ء، ڈیرہ غازی خان 2014ء)

تمہیدی منظر نامہ:۔

(اکرم اور یونس دونوں دوست ہیں۔ اکرم ڈرائنگ روم میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہے۔ اس کا دوست یونس اس کے پاس آتا ہے اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے)

یونس: السلام علیکم! کیا ہو رہا ہے؟

اکرم: وعلیکم السلام! اخبار پڑھ رہا ہوں۔

یونس: یار آج آپ بہت مغموم دکھائی دے رہے ہیں۔

اکرم: یہ دیکھو اخبار؟ آج پھر خان پور کے قریب گرلز کالج کی بس اور ٹریکٹر کے ٹکرانے سے بہت بڑا حادثہ پیش آیا ہے۔ بیس سے زیادہ طالبات زخمی ہیں، جن میں سے اکثر کی حالت تشویش ناک ہے۔

یونس: یہ کوئی نئی خبر تو نہیں ہے۔ معمولات انسان کو عادی بنا دیتے ہیں۔ بقول شاعر:

شب و روز مجھے کوئی اک نیا دغا دیتا ہے
معمول انسان کو خوگر بنا دیتا ہے

اکرم: ٹھیک کہا تم نے! آج کل ہمارے ملک میں حادثات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ آئے روز کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے۔

یونس: بسوں کے ڈرائیور پہلے سواریاں اٹھانے کی کوشش میں اندھا دھند گاڑیاں چلاتے ہیں، جس کی وجہ سے ٹریفک کے حادثات پیش آتے ہیں۔

اکرم: بسوں کے مالک بھی تو گاڑیوں کے اسٹیئرنگ ہر کس و ناکس کے ہاتھ دے کر لوگوں کی جانوں سے کھیل رہے ہیں۔ ڈرائیوروں کے پاس لائسنس تک تو ہوتا نہیں۔

یونس: اگر ایسی بات ہے تو پھر یہ ٹریفک پولیس کس مرض کی دوا ہے کیوں نہیں پکڑتی بغیر لائسنس کے گاڑیاں چلانے والوں کو؟

اکرم: چیک کرتی ہے۔ تم نے ہر چوک پر کھڑے اپنے ہاتھ میں نوٹ بک پکڑے سارجنٹ کو تو دیکھا ہوگا۔ اگر اس کی مٹھی گرم کر دی جائے تو بغیر لائسنس کے سڑک پر اندھا دھند گاڑی چلاتے پھرو، کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

یونس: بعض دفعہ تو لوگ ٹریفک پولیس کی بات سننا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ اور نہ ان کے روکنے پر رُکتے ہیں، اکثر لوگ تو قوانین کی خلاف ورزی کرنے میں خوشی اور فخر محسوس کرتے ہیں۔

اکرم: جی ہاں! اس کے علاوہ ہمارے ملک میں بعض چھوٹے شہروں میں چلنے والی گاڑیاں بھی تو سو سال پرانی ہیں۔ ان کا بھی تو علاج ہونا چاہیے۔

یونس: اس کا علاج ہے، لیکن ٹریفک پولیس کے پاس۔ تم سو سال پرانی گاڑیوں کی بات کرتے ہو اگر ٹریفک پولیس کی حمایت حاصل ہو تو ہزاروں سال پرانی گاڑیاں بھی سڑکوں پر چل سکتی ہیں۔

اکرم: ملک کی سڑکیں بھی تو ٹوٹی پھوٹی اور دو طرفہ (سنگل) ہیں۔ صرف چند خاص سڑکوں کی مرمت ہوتی ہے، جہاں سے بڑے اور خاص لوگوں نے گزرنا ہوتا ہے۔

یونس: تمام سرکاری اہل کاروں، عوام اور حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے حقوق و فرائض کو پہچانیں۔

اکرم: ٹیلی ویژن اور ریڈیو والوں کو بھی چاہیے کہ لوگوں میں ٹریفک کی پابندی کا شعور پیدا کریں، تب ہی یہ حادثات کم ہوں گے۔

یونس: بالکل ٹھیک کہا تم نے! خدا سب کو ہدایت دے اور تمام لوگوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

اکرم: آمین۔

یونس: اچھا بھائی اکرم اب اجازت! دیر ہو رہی ہے میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ

اکرم: اللہ حافظ۔

اختتامی منظر نامہ:۔

(یونس اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتا ہے)

22۔ کتابی کیڑے اور کھیلوں کے رسیا کے درمیان مکالمہ

(بہاول پور بورڈ 2011ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(عاطف اپنے گھر میں بیٹھا پڑھ رہا ہے۔ اس کا دوست اویس اس سے ملنے آتا ہے اور وہ یوں مخاطب ہوتا ہے)

اویس: السلام علیکم!

عاطف: وعلیکم السلام!

اویس: کیا حال ہے آپ کا؟

عاطف: اللہ کا شکر ہے۔ آپ سنائیں کیسے آنا ہوا؟

اویس: بس ایک کام ہے۔

عاطف: کیا کام ہے؟

اویس: کام یہ ہے کہ آج شہر سے 5 کلو میٹر دور کرکٹ کا ایک میچ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔

عاطف: کیا ہوا بھائی! کیا کھلاڑی پورے نہیں ہیں؟

اویس: جی ہاں! ایک کھلاڑی نہیں آیا۔

عاطف: جناب میں تو آپ کے ساتھ نہیں جا رہا۔ مجھے تو پڑھنا ہے۔

اویس: میں تو جب کبھی بھی آپ کو کھیل کے لیے بلاتا ہوں تو آپ انکار کر دیتے ہیں۔ آپ تو بالکل کتابی کیڑے بن کر رہ گئے ہیں۔

عاطف: لیکن آپ بھی تو پورا دن کھیلتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے آپ کئی دفعہ ٹیسٹوں میں فیل ہو گئے ہیں۔

اویس: یار کھیل صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس سے انسان بہت کچھ سیکھتا ہے' یہ انسان کی زندگی کا ایک بہت اہم حصہ ہے۔ بقول علامہ اقبال:

جھپٹنا پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

عاطف: مگر جناب! تعلیم کی اہمیت سے بھی تو انکار نہیں کیا جا سکتا، تعلیم انسان کو شعور دیتی ہے۔ اس سے ان کا ذہن روشن ہوتا ہے۔ انسان ترقی کی بلندیوں کو چھوتا ہے۔ اگر انسان پڑھے نہ تو وہ علم کی دولت سے محروم رہتا ہے اور اگر انسان کے پاس علم نہ ہو تو اس کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے''

اویس: آپ کی بات درست ہے مگر تعلیم حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا ذہن توانا ہو اور ذہن کے تندرست ہونے کے لیے جسم کا تندرست ہونا بہت ضروری ہے اور کھیل ہی انسان کو ایک صحت مند جسم دے سکتا ہے۔

عاطف: ہاں! میں آپ کی بات مانتا ہوں، دیکھیں آپ بھی تو مان گئے ہیں کہ تعلیم ضروری ہے۔

اویس: ہاں! بس آپ کے دلائل نے مجھے اس بات کا قائل کر دیا۔ اچھا اب آپ مجھے بتائیں کہ آپ میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہیں نا؟

عاطف: جی ہاں! میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں مگر آپ وعدہ کریں کہ آپ بھی شام کو میرے ساتھ لائبریری میں مطالعہ کے لیے چلیں گے۔

اویس: ہاں اچھی بات ہے، میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔

عاطف: تو ٹھیک ہے پھر چلتے ہیں۔

اختتامی منظر نامہ:

(دونوں دوست کھیل کے میدان کی طرف چل پڑتے ہیں۔)

23۔ دو دوستوں کے درمیان وقت کی پابندی پر مکالمہ

(ملتان بورڈ 05-2000ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(عاصم اپنے گھر میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا ہے۔ اس کا دوست عمیر اس سے ملاقات کے لیے آتا ہے اور وہ یوں مخاطب ہوتا ہے)

عمیر: السلام علیکم!

عاصم: وعلیکم السلام! کیسے ہو؟

عمیر: میں ٹھیک ہوں، آپ کیا کر رہے ہیں؟

عاصم: میں ٹی وی پر ڈرامہ دیکھ رہا ہوں۔

عمیر: جناب آپ کے پاس ڈرامے دیکھنے کا وقت ہے؟

عاصم: کیوں کیا ہوا؟ کیا میں ڈرامے نہیں دیکھ سکتا؟

عمیر: دیکھ تو سکتے ہیں مگر اب تو آپ کے امتحان قریب ہیں، آپ کو تو پڑھنا چاہیے۔

عاصم: ارے جناب! کچھ نہیں ہوتا ابھی بہت وقت پڑا ہے، بعد میں دیکھ لیں گے پڑھائی کو۔

عمیر: آپ کو اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، کیا آپ نے یہ شعر نہیں سنا:

؎ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں

عاصم: آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آخری چند دنوں میں تیاری کر سکتا ہوں۔

عمیر: جناب! یہ آپ کی سوچ ہے۔ ابھی آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آپ با آسانی اپنا نصاب دہرا لیں گے۔ مگر امتحان کے قریب تیاری نہ ہونے کی وجہ سے نصاب بوجھ بن جائے گا اور آپ کو شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا کیوں کہ:

؎ کی نہ جس نے قدر شید اوقت اور استاد کی
تا عمر رو تا رہا دیکھا نہ کبھی یوم عید

عاصم: ہاں! ویسے آپ کی بات تو ٹھیک ہے۔

عمیر: جی ہاں! میری بات سو فیصد درست ہے۔ اگر آپ ہر کام مناسب وقت پر کریں گے تو کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ آپ کا وقار بلند ہوگا۔ اگر آپ نے وقت کی قدر نہ کی تو آخر کار آپ کو پچھتانا پڑے گا اور آپ کو یہ مقولہ یاد آئے گا۔

"اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"

اب آپ کی بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ آپ کا بہت شکریہ، آپ نے مجھے وقت کی قدر کا احساس دلایا۔ اب میں کوشش کروں گا

کہ ہر کام وقت پر کروں اور دل لگا کر پڑھوں، تاکہ میں سالانہ امتحان میں پاس ہو سکوں۔

عمیر: اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ اب میں چلتا ہوں۔

ہاشم: اللہ حافظ!

عمیر: اللہ حافظ!

اختتامی منظر نامہ:

(عمیر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتا ہے)

24۔ دو دوستوں کے درمیان دہشت گردی کے موضوع پر مکالمہ

(گوجرانوالہ بورڈ، ملتان بورڈ، ڈی جی خان بورڈ 2010ء، لاہور بورڈ 13ء، ساہیوال 2014ء)

تمہیدی منظر نامہ:

(آصف اور ناصر دونوں سالِ اول کے طالب علم ہیں۔ آصف کالج لائبریری میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہے۔ آصف کا ہم جماعت ناصر اس کے پاس آتا ہے اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔)

ناصر: السلام علیکم! کیا ہو رہا ہے؟

آصف: وعلیکم السلام! اخبار پڑھ رہا ہوں۔

ناصر: یار آصف! آج آپ بہت مغموم دکھائی دے رہے ہیں۔

آصف: یہ دیکھو اخبار، کراچی میں پھر خودکش بم دھماکہ ہوا ہے۔

ناصر: یہ کوئی نئی خبر یا کوئی انہونی بات نہیں، معمولات انسان کو عادی بنا دیتے ہیں۔

آصف: پہلے تو تم ملکی حالات سے اتنے بے نیاز نہ تھے۔

ناصر: بے نیاز تو اب بھی نہیں ہوں۔ بس بے بسی انسان کے ذہن پر قفلِ سکوت لگا دیتی ہے۔

آصف: تشویش ناک امر یہ ہے کہ ملک میں دہشت گردی کا دائرہ کار روز بروز وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

ناصر: پوری دنیا میں یہ ایک متنازعہ مسئلہ بن گیا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، طالبان، القاعدہ، حرکۃ المجاہدین سب ایک دوسرے کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔

آصف: چند برس قبل دہشت گردی کو اتنا عروج نہیں تھا، لیکن نائن الیون کے واقعات کے بعد اس میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ پھر خودکش دھماکوں جیسی گھناؤنی واردات میں ملوث ہونا انتہائی قبیح فعل ہے۔

ناصر: جی ہاں! خودکش دھماکے صریح خون ریزی ہے، خاص طور پر بے چارے معصوم لوگوں کی زندگیوں سے یوں کھیلنا انسانیت کا قتل ہے۔

آصف: بڑے افسوس کا مقام ہے کہ تقریباً پندرہ برس سے بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

ناصر: حد تو یہ ہے کہ تعلیمی ادارے، مساجد، مزارات، مدارس اور مقدس مقامات تمام دہشت گردوں کی زد میں ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حملہ آور کس لالچ میں آ کر جان دیتے ہیں۔

آصف: دراصل یہ تمام لوگ دشمن ممالک کے زرخرید ہوتے ہیں۔

ناصر: لیکن جان کے سامنے دولت کی کیا حیثیت ہے۔ جان ہے تو جہان ہے۔

آصف: یہ تمہارا خیال ہے۔ لیکن غربا، جن کا دوہرا استحصال ہو رہا ہے، غربت، مہنگائی اور طرح طرح کے مسائل نے جن کی کم

توڑ دی ہے، حوادث زمانہ کے تند و تیز تھپیڑوں سے لڑ کھڑاتے ہوئے یہ لوگ زندگی کی بجائے موت کو گوشۂ عافیت سمجھتے ہیں۔

ناصر: کیا مساجد و دیگر مقدس مقامات پر کوئی مسلمان بھی حملہ کر سکتا ہے؟

آصف: جی ہاں! حالات کے ستائے ہوئے بے روزگار نوجوان اور عاقبت نا اندیش مذہبی جنونی ہوتے ہیں، جو کہ ایسے گھناؤنے فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ناصر: کیا پاکستان میں بھی غیر مسلم ممالک ایسی گھناؤنی کارروائیوں میں ملوث ہیں؟

آصف: جی ہاں! یہ ممالک پاکستان کے کھلے دشمن ہیں، یہ متعصب ممالک کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں سے واحد ایٹمی طاقت پاکستان مضبوط تر ہو۔

ناصر: ہمارے ملک میں کوئی بھی خودکش حملہ یا دہشت گردی کی واردات ہو تو مورد الزام مذہبی حلقے جن کا تعلق مدارس سے ہوتا ہے، کیوں ٹھہرایا جاتا ہے؟

آصف: غیر مسلم ممالک دراصل اسلام کے دشمن ہیں اور مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔ اس لیے وہ پاکستانی عوام کو مدارس سے متنفر کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کا تعلق مساجد اور مدارس سے منقطع ہو جائے اور اسلام کے قلعے یعنی مدارس کو فتح کر لیں کیوں کہ جب کسی ملک کا قلعہ فتح ہو جاتا ہے تو ملک بھی فتح ہو جاتا ہے۔

ناصر: غیر مسلم ممالک اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے بعض مسلمانوں کو بھی تو استعمال کر رہے ہیں۔

آصف: جی ہاں! یہ عقل کے اندھے اسلام کے دشمنوں کے مفاد کی خاطر اپنے ملک و قوم کی تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔

ناصر: کیا ہمارے مذہب اسلام میں اس طرح قتلِ عام کی گنجائش ہے؟

آصف: بالکل نہیں! ہمارا مذہب امن اور سلامتی کا مذہب ہے، اس میں تو کافر کو بھی ناحق قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ناصر: دشمن ممالک کو مساجد اور مذہبی جلسوں پر حملے کروا کے کیا ملتا ہے؟

آصف: یوں مذہبی گروہ ایک دوسرے سے متنفر ہو کر آپس میں دست و گریبان ہو جاتے ہیں اور ملک داخلی طور پر کمزور ہو جاتا ہے۔

ناصر: دہشت گردی کے اس سیل ہمہ گیر کے سامنے ہمیں بند باندھنا ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سیلاب پوری قوم کو خس و خاشاک کی طرح صفحۂ ہستی سے ہی مٹا نہ دے۔

آصف: جی ہاں! حکومت کو چاہیے کہ ویزوں کے اجرا کے وقت کڑی تحقیق کرے، خاص طور پر غیر ممالک سے آنے والوں کے مکمل کوائف کی پرتال کے بعد اُن کی اندرونِ ملک سرگرمیوں پر بھی نظرِ غائر رکھی جائے۔

ناصر: دہشت گردی کی روک تھام کے لیے حکمران کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

آصف: ہمارے حکمرانوں کو چاہیے کہ دوست دشمن کی پہچان کریں۔ خاص طور پر وہ ممالک جو کہ مسلمانوں کے کھلے دشمن ہیں، کی حمایت کرنا چھوڑ دیں تو اس سے ملک کی مذہبی جماعتیں اعتماد میں آ جائیں گی اور دشمن ممالک کو ملک سے خودکش حملہ آوروں کا حصول بہت مشکل ہو جائے گا۔

ناصر: اس کے علاوہ عوام الناس کی کیا ذمہ داری ہے؟

آصف: عوام کو چاہیے کہ جہاں کہیں کوئی مشکوک فرد، کوئی لاوارث بیگ وغیرہ ملے فوراً پولیس کو اطلاع دیں۔

ناصر: یار آصف! آپ کے بیان کردہ اصل حقائق نے تو میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اللہ آپ کے علم میں برکت دے۔

آصف: دعا کرو ناصر! اللہ تعالیٰ ہماری قوم کے حالِ زار پر رحم فرمائے۔

ناصر: آمین۔

آصف: اب ہمیں چلنا چاہیے کیوں کہ اُردو کا پیریڈ شروع ہوا چاہتا ہے۔

افتتاحی منظر: (دونوں دوست جماعت کے کمرے کی طرف چل پڑتے ہیں)

25- والدین کا اولاد کے رویوں پر مکالمہ

تمہیدی منظر نامہ

(ایک ہی محلے سے تعلق رکھنے والے دو دوست ابرار اور نصر اللہ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے باہر آتے ہیں اور دونوں سیر کے لیے روانہ ہوتے ہوئے یوں ہم کلام ہوتے ہیں)

نصر اللہ: السلام علیکم! ابرار صاحب! سنائیں کیا حال ہے؟

ابرار: وعلیکم السلام! اللہ کا شکر ہے۔ میں ٹھیک ہوں آپ سنایئے؟

نصر اللہ: میں بھی ٹھیک ہوں۔ آج آپ کا بڑا بیٹا نماز کے لیے نہیں آیا، خیریت تو ہے؟

ابرار: رات دیر تک جاگتا رہا اس لیے صبح بیدار نہیں ہو سکا۔

نصر اللہ: آپ نے بھی نہیں جگایا؟

ابرار: کوشش کی تھی۔

نصر اللہ: صرف کوشش؟ یوں کہیے ناکام کوشش۔

ابرار: دراصل دو رات دیر تک کمپیوٹر کا استعمال کرتا رہا۔ علی الصبح اس کے لیے جاگنا مشکل تھا اور میرے لیے بھی اسے جگانا مشکل تھا۔

نصر اللہ: بہت خوب۔۔۔۔ اس عمر میں کون سا کاروبار کر رہا ہے کمپیوٹر پر آپ کا صاحب زادہ؟

ابرار: گیمز۔ دوستوں کے ساتھ بات چیت۔

نصر اللہ: دوسرے لفظوں میں وقت کا ضیاع۔ (مسکراتے ہوئے) آپ اسے منع بھی نہیں کرتے؟

ابرار: بالکل بھی نہیں۔ میرا خیال ہے کمپیوٹر سے بچے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ اس لیے میں اسے منع نہیں کرتا۔

نصر اللہ: کیا ہم والدین کے پاس سکھانے کے لیے باتیں ختم ہو گئی ہیں کہ ہم نے اپنی اولاد کو کمپیوٹر کے سپرد کر دیا ہے۔

ابرار: لیکن جو کمپیوٹر سکھا سکتا ہے وہ ہم تو نہیں سکھا سکتے اور یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

نصر اللہ: آپ کی بات بجا لیکن اس ناپختہ عمر میں کیا بچے کمپیوٹر کا ویسا ہی استعمال کرتے ہیں جیسا ہم چاہتے ہیں؟ کیا ہماری اولاد سے متعلق ذمہ داریاں یہیں ختم ہو جاتی ہیں؟

ابرار: آپ کہنا کیا چاہتے ہیں بھائی صاحب؟ صاف کہیے نا۔

نصر اللہ: اگر کمپیوٹر ہی تربیت کا ذریعہ ہے تو پھر وہ صبح کے وقت نماز کے لیے آپ کے بیٹے کو کیوں نہیں جگا سکا؟

ابرار: ہاں! یہ تو ہے۔

نصر اللہ: پہلے زمانے میں بزرگ بچوں کو اپنے اردگرد جمع کر لیا کرتے، انھیں دین کی سوجھ بوجھ دیتے اور ان کی تربیت کرتے تھے لیکن آج کی نسل ان صحبتوں سے محروم ہے افسوس کہ

ہم جس پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھا کرتے تھے　　اب اس پیڑ کے پتے جھڑتے جاتے ہیں

ابرار: پھر ہم والدین کو کیا کرنا چاہیے؟

نصر اللہ: ہمارا فرض ہے کہ ہم انھیں سچا مسلمان بنائیں۔

ابرار: کیسے بنا سکتے ہیں؟

نصراللہ: دیکھو بھائی اولاد والدین کے لیے سب سے بڑی آزمائش ہوتی ہے اور اگر اولاد نیک ہو تو وہ اپنے والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی تربیت ہماری ذمہ داری ہے۔ تربیت کے ذریعے اچھا مسلمان بنا سکتے ہیں۔

ابرار: ہاں جانتا ہوں یہ واقعی آزمائش ہے مگر ہم اس آزمائش پر کیسے پورا اتر سکتے ہیں؟

نصراللہ: بہت آسان ہے۔

ابرار: آسان کیسے؟

نصراللہ: جو نصیحت ہم اپنی اولاد کو کرتے ہیں پہلے ہم خود اس پر عمل پیرا ہوں کیوں کہ انسان کا عمل دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔ چناں چہ ہمیں اپنی اولاد کی بہتر تربیت کے لیے ایک مثالی ماحول فراہم کرنا ہوگا۔

ابرار: میں سمجھا نہیں۔ ہم اولاد کو مثالی ماحول کیسے فراہم کر سکتے ہیں؟

نصراللہ: ہم اپنے گھروں میں دین کو زندہ کریں کیوں کہ انسان ماحول سے بھی بہت کچھ سیکھتا ہے۔ ہم اپنے گھروں کا مثالی ماحول بنا کر بچوں کی بہتر تربیت کر سکتے ہیں۔

ابرار: والدین کے علاوہ یہ ضرورت اور کون پوری کر سکتا ہے؟

نصراللہ: مخلص اور دین دار دوست۔ جو فی زمانہ کم یاب ہیں۔

ابرار: پھر تو والدین کو ہی یہ ضرورت پوری کرنی چاہیے۔ وہی سب سے بڑے خیر خواہ ہو سکتے ہیں اپنے بچوں کے۔

نصراللہ: جی ہاں!

ابرار: مگر یار اولاد پر بے جا رعب بھی تو ان کو باغی بنا دیتا ہے۔

نصراللہ: ہاں اعتدال کا راستہ بہترین راستہ ہے۔

ابرار: آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

نصراللہ: آج کے پُرفتن دور میں والدین کو اولاد کی تربیت پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اولاد کو باہر کے ماحول سے بچا کر دین کے ماحول میں لانا ہوگا۔ کیوں کہ دین کے ماحول میں ہی دین پر چلنا آسان ہوتا ہے۔

ابرار: میں تو سمجھتا تھا بچوں کو ڈاکٹر، انجینئر بنا دینا ہی اصل ذمہ داری ہے۔ مگر۔۔۔۔۔

نصراللہ: ڈاکٹر اور انجینئر بھی ضرور بنائیں۔ یہ بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لیکن اپنے دین کو خیر باد نہ کہیں۔ علامہ اقبال نے بجا فرمایا ہے کہ:

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت ۔۔۔ ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

ابرار: نصراللہ بھائی! ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

نصراللہ: ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی آخرت کی زندگی کو محفوظ بنائیں جو کہ زیادہ اہم ہے۔ اللہ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ:

یا ایہا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ (سورۃ التحریم ۶)

ابرار: ہمارے دور اور موجودہ دور کی نوجوان نسل کے مزاج اور رویوں میں بڑا فرق ہے۔ ہمارے دور میں رشتوں کا تقدس تھا۔ چھوٹے بڑوں کا احترام کرتے تھے۔ مگر موجودہ دور ایسی خوبیوں سے محروم ہے۔

نصراللہ: جی ہاں بھائی صاحب۔ آج کا دور بہت مصروف ہے۔ ہر انسان کی بے پناہ مصروفیات ہیں۔ مصروفیت کے باعث والدین کے پاس اولاد کی تربیت کے لیے وقت نہیں ہے۔ اس لیے والدین نے اولاد کو کیبل، موبائل فون اور کمپیوٹر کے حوالے کر دیا ہے۔

ہاں بھئی میں جب اپنے معمولات پر غور کرتا ہوں تو میرے پاس بھی اولاد کے لیے وقت نہیں ہے۔ میں نے بھی اپنی اولاد کو کیبل اور کمپیوٹر کے حوالے کر دیا ہے۔

اصل میں انسان تربیت کا محتاج ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو انسانوں کی تربیت کے لیے مبعوث فرمایا اور ہر دور کے نبی نے انسانوں کی تربیت کی ہے۔

جی بھائی صاحب۔ واقعی انسان تربیت کا محتاج ہے۔ میں جب اپنے بڑے بیٹے کا لباس، حلیہ اور گفتگو کا انداز دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے بیٹے کے رویے سے مایوسی ہوتی ہے۔

ہم والدین کا فرض تھا کہ اپنی اولاد کی تربیت اسلام کے مطابق کرتے، جب کہ ہم نے انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا تعلق دینے کی بجائے انھیں غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے حوالے کر دیا۔ اب کانٹے نکل آئے ہیں اور بے ادبی سے بات کرتے ہیں تو افسوس کرتے ہیں۔

اللہ آپ کا بھلا کرے اور جزا دے آپ نے تو میری آنکھیں کھول دی ہیں۔

اللہ آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

چلیے گھر چلتے ہیں۔

اختتامی منظر نامہ: (دونوں دوست اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں)

26۔ دو طالب علموں کے درمیان اُردو زبان کی اہمیت کے موضوع پر مکالمہ

تمہیدی منظر نامہ: (بہاول پور بورڈ 2013، آزاد کشمیر 2014)

(شکیل اور نوید دونوں ایک ہی کالج میں پڑھتے ہیں۔ شکیل وقفہ کے دوران کالج کے صحن میں بیٹھا کسی کتاب کے مطالعہ میں محو ہے۔ نوید اس کے پاس آتا ہے اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔)

نوید : السلام علیکم!

شکیل : وعلیکم السلام۔ نوید بھائی کیسے ہیں آپ؟

نوید : الحمد للہ! میں ٹھیک ہوں۔ کون سی کتاب کا مطالعہ ہو رہا ہے؟

شکیل : ہماری قومی زبان اردو سے متعلق ہے۔ اس کتاب میں اردو زبان کی اہمیت و ضرورت بیان کی گئی ہے۔

نوید : اب تو انگلش کا دور دورہ ہے اور آپ ہیں کہ اردو میں سر کھپا رہے ہیں۔

شکیل : یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ دراصل انگریزی زبان فیشن بن چکی ہے اور ہر خاص و عام انگلش سے مرعوب دکھائی دیتا ہے لیکن اس کے باوجود اردو زبان کی اہمیت و افادیت مسلّم ہے۔

نوید : بھائی! میں تو یہی کہوں گا کہ دنیا کے ساتھ چلو! سرکاری ہوں یا پرائیوٹ ادارے ہر جگہ انگلش کو ترجیح دی جاتی ہے۔

شکیل : میرے خیال میں تو یہ سب غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ دنیا کے تقریباً سبھی ملکوں میں قومی زبان کو تمام شعبوں میں رائج کیا جاتا ہے، ایک پاکستان ہی ایسا ملک ہے، جہاں دورِ غلامی کی یادگار انگریزی زبان رائج ہے۔

نوید : آج کل تو چھوٹے بچے بھی روانی سے انگریزی بولتے ہیں۔

شکیل : زندہ قومیں اپنی قومی زبان سے محبت کرتی ہیں اور اس کی ترقی و ترویج کے لیے بھرپور کوشش کرتی ہیں۔

نوید : اگر ایسا ہے تو پھر انگریزی زبان کو زیادہ فوقیت کیوں دی جاتی ہے اور اردو زبان کو سرکاری سطح پر کیوں اختیار نہیں کیا جاتا۔

شکیل : یہ سب مرعوبیت کی نشانی ہے۔ ترقی پذیر قوموں کا المیہ یہی ہے کہ وہ اپنی زبان کو چھوڑ کر دوسروں کی نقالی میں فخر محسوس کرتی ہیں۔

نوید : ہمارے ہاں تو ایک بڑا طبقہ انگریزی زبان کا دلدادہ ہے اور اہلِ اقتدار تو ہمیشہ انگلش سیکھنے کی غرض سے اپنے بچوں کو بیرون ملک بھجواتے ہیں۔

شکیل : ضرورت کے تحت انگلش سیکھنا اور پڑھنا منع نہیں ہے۔ لیکن انگلش کو سرکاری و پرائیویٹ دفاتر میں، تعلیمی اداروں اور عام بول چال میں استعمال کرنا اور اردو کو حقیر سمجھنا غلط ہے۔

نوید : دراصل انگریزی بولنے والے کو تعلیم یافتہ سمجھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اکثر لوگ اردو میں بھی کئی الفاظ انگریزی کے استعمال کرتے ہیں۔

شکیل : اردو زبان پسماندہ یا کم تر نہیں ہے بلکہ ادب و احترام کے الفاظ اردو میں زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ مثلاً کوئی لڑکا کہے کہ ''یہ میرے ابو جان ہیں'' اسی طرح انگلش میں اگر کہے کہ ''یہ میرا ڈیڈی ہے'' تو ادب والا لفظ کون سا ہے ''ابو جان'' یا ''ڈیڈی''؟

نوید : یہ بات تو ٹھیک ہے کہ ابو جان کہنا ہی زیادہ ادب والا لفظ ہے، لیکن انگریزی زبان موجودہ دور میں بین الاقوامی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

شکیل : آپ کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ اردو زبان بھی اس وقت دنیا میں بولی جانے والی چند بڑی زبانوں میں سے ایک ہے۔

نوید : دراصل حکمرانوں کا فرض بنتا ہے کہ اردو زبان کو فروغ دینے کے لیے اقدامات کریں۔

شکیل : ایسا ہی ہونا چاہیے! آپ غور کریں کہ روس میں روسی زبان رائج ہے، جرمن میں جرمنی زبان، جاپان میں جاپانی زبان اور چین میں چینی زبان کو ہر شعبے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر ملک کے لوگ اپنی زبان بول کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایک ہمارے ہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ یہ ہماری احساس کمتری کی علامت ہے کیوں کہ غلام قومیں بالادست قوموں کا اثر قبول کرتی ہیں۔

نوید : آپ کی باتوں میں وزن ہے اور دل کو لگ رہی ہیں۔

شکیل : شکریہ نوید، اپنی قومی زبان کی اہمیت کا اندازہ آپ کر سکتے ہیں کہ جب چین کے وزیر اعظم چواین لائی پاکستان تشریف لائے تو انگریزی میں پیش کیے گئے سپاس نامے کا جواب انھوں نے چائنہ میں یہ کہہ کر دیا کہ ''چائنہ ابھی گونگا نہیں ہوا'' یہ ہے زندہ قوموں کا نشان۔

نوید : ہمارے ہاں تو پہلی کلاس سے انگلش کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے اور اپنی ابتدائی تعلیم کے دس سال محض انگریزی کی چند اصطلاحات سیکھنے میں صرف کر دیتے ہیں۔

شکیل : یہی تو مسئلہ ہے۔ اگر اردو ہی کو ذریعہ تعلیم بنا دیا جائے تو جتنا وقت طلبا انگریزی سیکھنے میں صرف کرتے ہیں وہی وقت کوئی خاص علم یا ہنر سیکھنے میں لگا سکتے ہیں۔

نوید : اور پھر مزے کی بات تو یہ ہے کہ اس کے باوجود وہ انگریزی میں اتنی بھی مہارت حاصل نہیں کر سکتے کہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔ آپ کے خیال میں اردو کو ''انگریزیت و غیر ملکی کلچر'' سے کیسے بچایا جا سکتا ہے اور اردو کی اہمیت کو کیسے عوام الناس میں اجاگر کر سکتے ہیں؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت سنجیدگی سے قائد کے فرمان کے مطابق اردو زبان کو سرکاری سطح پر رائج کرے

قلیل : کیوں کہ ؎ اب کا نہیں ساتھ، یہ صدیوں کا ساتھ ہے تشکیل ارض پاک میں اردو کا ہاتھ ہے

آپ کی باتوں سے میرا دل مطمئن ہوا ہے اور اردو کی اہمیت وافادیت سے آگاہی ہوئی ہے۔

نوید : ہمیں اس بات میں فخر محسوس کرنا چاہیے کہ اردو ہی ہماری قومی زبان ہے اور ہمارے لیے ایک بہترین ذریعہ تعلیم

قلیل : ہے۔ اور ہماری اسلامی تہذیب اور ثقافت کی امین ہے۔

(گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے) آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے اتنی مفید باتیں بتائیں۔ آئندہ میں ان شاء اللہ اردو

نوید : بولنے میں فخر محسوس کروں گا۔

قلیل : اللہ آپ کو جزا دے، آپ نے بھی میری باتیں بڑے دھیان سے سنی ہیں۔

نوید : کلاس کا وقت ہو گیا ہے، اب اجازت دیں۔ اللہ حافظ

قلیل : اللہ حافظ

(اختتامی منظر)

(دونوں طالب علم اپنی جماعت کے کمرے کی طرف چل پڑتے ہیں)

27۔ دو طالب علموں کے درمیان ٹیوشن سنٹر / اکیڈمی کے فوائد و نقصانات کے موضوع پر مکالمہ

تمہیدی منظر نامہ: (لاہور بورڈ 2014ء)

(عدنان اور دانش دوست ہیں اور ایک ہی محلّہ میں رہتے ہیں۔ دانش کتاب لینے کے لیے عدنان کے گھر آتا ہے۔ دونوں میں گفتگو کا آغاز ہوتا ہے)

دانش : السلام علیکم!

عدنان : وعلیکم السلام! کیا حال ہے؟

دانش : الحمدللہ! میں ٹھیک ہوں۔ انگلش پارٹ ون کا خلاصہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ وہ دے دیں۔

عدنان : لگتا ہے کہ بہت جلدی میں ہو۔ کہاں جا رہے ہو؟

دانش : ٹیوشن سنٹر جا رہا ہوں۔ دیر ہو رہی ہے۔

عدنان : ایسی بھی کیا جلدی یار! آپ تو عید کا چاند بن گئے ہیں۔ ملاقات ہی نہیں ہوتی آپ سے۔

دانش : بس یار کیا بتاؤں، والد صاحب نے ٹیوشن سنٹر میں داخل کرا دیا ہے۔ اب تو سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملتی۔ رات دن پڑھائی کی مصروفیت ہے۔

عدنان : پڑھائی کی اہمیت اپنی جگہ مگر آرام کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

دانش : آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ کالج سے آتے ہی فوراً ٹیوشن سنٹر چلا جاتا ہوں۔ وہاں سے واپسی پر بڑی ہوئی چیزیں دہراتا ہوں۔

عدنان : یہ تو پھر ٹیوشن سنٹر نہیں بلکہ ''ٹینشن سنٹر'' ہو گیا ہے۔ کیا آپ کے کالج میں پڑھائی نہیں ہوتی؟

دانش : کالج میں تو بہت ہی قابل اور سینئر پروفیسر صاحبان ہیں، جو بڑی محنت سے پڑھاتے ہیں۔

عدنان : تو پھر ٹیوشن سنٹر کا بکھیڑا پالنے کی کیا ضرورت ہے کہ نہ نماز کا وقت ملتا ہے اور نہ ہی آرام و سکون کا۔

دانش : دراصل گھر میں پڑھا نہیں جاتا اس وجہ سے والد صاحب نے اکیڈمی میں داخل کرا دیا ہے، تا کہ سارا وقت پڑھائی میں صرف ہو۔

عدنان : ٹیوشن تو وہ پڑھے جو کند ذہن ہو۔ اگر آپ کو پڑھائی سے دل چسپی نہ ہو تو ٹیوشن سنٹر والے بھی آپ کو گھول کر پلانے سے قاصر ہیں۔

دانش : کیا آپ ٹیوشن نہیں پڑھتے۔

عدنان : بالکل نہیں! اور الحمد للہ مجھے تو پڑھائی میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ آرام بھی کرتا ہوں اور وقت پر نماز باجماعت بھی ادا کرتا ہوں۔ میری تعلیمی کیفیت بھی آپ کے سامنے ہے۔

دانش : تعلیمی کیفیت کے حوالے سے تو ماشاء اللہ آپ کی بہترین کارکردگی ہوتی ہے۔

عدنان : میرا مشورہ تو یہی ہے کہ کالج میں پڑھے جانے والے اسباق کو گھر پر آ کر دہرا لیا کرو اور اگر ان میں کوئی مشکل پیش آئے تو دوسرے دن اساتذہ سے پوچھ لو۔

دانش : یعنی آپ کی تجویز یہ ہے کہ میں ٹیوشن سنٹر جانا چھوڑ دوں۔

عدنان : آپ میری بات کا بالکل صحیح مطلب سمجھے ہیں اور ویسے بھی ٹیوشن سنٹر جا کر پلے کچھ نہیں پڑتا بلاوجہ ہی وقت اور روپیا ضائع ہوتا ہے۔

دانش : محترم! جب آپ اکیڈمی جاتے ہی نہیں تو پھر کیوں کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ پلے کچھ نہیں پڑتا۔

عدنان : میں نے بھی ان اکیڈمیوں کی خاک چھانی ہوئی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کالج میں مضامین کے موضوعات کچھ اور ہوتے ہیں جب کہ اکیڈمی میں کچھ اور، اس لیے نہ تو کالج کی تدریس سمجھ میں آتی ہے اور نہ ہی ٹیوشن سنٹر میں کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

دانش : ہاں! یہ بات تو آپ کی کافی حد تک درست لگ رہی ہے۔

عدنان : صرف موضوعات کی ہی نہیں، اساتذہ بھی مختلف ہوتے ہیں اور یہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ جہاں بہت سے کاری گر کسی عمارت کو بنانے پر تُل جائیں اور ہر ایک اپنی من مانی سے کام لے تو عمارت کا حلیہ ہی بگاڑ دیں گے۔

دانش : ٹھیک ہے میں مانتا ہوں کہ اکیڈمی میں پڑھنے کے چند ایک نقصانات ہیں اور آپ کی باتیں کچھ حد تک ٹھیک ہیں لیکن آپ ٹیوشن سنٹر کے مثبت پہلوؤں پر بھی ذرا غور فرمائیں تا کہ انصاف کا توازن برقرار رہے۔

عدنان : میں نے تو صاف بتا دیا ہے کہ ٹیوشن سنٹر دراصل ٹینشن سنٹر ہیں۔ جو ''دور کے ڈھول سہانے'' کے مصداق پرکشش ہوتے ہیں مگر فائدہ کچھ نہیں۔

دانش : آپ کے پرخلوص مشورے کا شکریہ! میں آپ کی معلومات کے لیے عرض کر دوں کہ ایسے ایسے کمزور اور کند ذہن بچے جن کو کچھ بھی یاد نہیں ہوتا تھا ٹیوشن سنٹر میں اساتذہ کی بھرپور محنت سے امتحان میں پاس ہو گئے۔

عدنان : یہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ٹیوشن سنٹر وہ پڑھے جو کند ذہن ہو۔

دانش : جی نہیں! اس کے علاوہ بھی ٹیوشن سنٹر کے بہت سے فوائد ہیں۔ اگر آپ سننا پسند کریں تو میں کچھ عرض کروں۔

عدنان : بالکل بتا سکتے ہیں۔ اگر آپ کی بات درست ہوگی تو ماننے میں کوئی حرج نہیں۔

دانش : پہلی بات تو یہ ہے کہ ٹیوشن سنٹر میں امتحانی نقطہ نظر سے تیاری کرائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹیوشن سنٹر میں ٹیسٹ سسٹم بڑا منظم ہوتا ہے۔ اساتذہ جو ٹیسٹ لیتے ہیں جلد ہی چیک کر کے واپس بھی دے دیتے ہیں، جس سے طلبہ کو اپنی غلطیوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

عدنان : تو کیا کالج میں تسلی بخش طریقے سے نہیں پڑھایا جاتا؟

دانش : آپ میری بات کو سمجھ نہیں رہے۔ میں کالج کی برائی بیان نہیں کر رہا بلکہ ٹیوشن سنٹر کے فوائد سے آپ کو آگاہ کر رہا ہوں۔

عدنان : ٹھیک ہے! آپ اپنی بات جاری رکھیں۔

دانش : جو طلبہ کسی مجبوری کی وجہ سے کالج میں کلاس لینے سے قاصر ہو جائیں تو وہ ٹیوشن سنٹر میں پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر امتحان میں کوئی مضمون رہ جائے تو ٹیوشن سنٹر میں تیاری کر سکتے ہیں۔

(قائل ہونے کے انداز سے سر ہلاتا ہے) واقعی یہ مثبت پہلو تو میری نظروں سے اوجھل تھے۔

عدنان : آگے سنیے! کالج میں نصاب مکمل ہونے کے بعد جب تعلیمی سیشن ختم ہو جاتا ہے تو ٹیوشن سنٹر میں پڑھنا زیادہ مفید

دانش : ہوتا ہے کیوں کہ امتحان کے قریب سب تم یک سوئی اور توجہ سے امتحان کی تیاری کر لیتا ہے۔

دلائل تو واقعی آپ کے زبردست ہیں۔

عدنان : شکر ہے! آپ کو میری بات سمجھ تو آ گئی۔ پھر کب داخلہ لے رہے ہیں ٹیوشن سنٹر میں؟

دانش : فی الحال تو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دیکھیں گے۔

عدنان : اچھا بھائی عدنان! اب مجھے اجازت دیں۔ اللہ حافظ

دانش : اللہ حافظ

عدنان :

(اختتامی منظر)

(دانش کتاب لے کر رخصت ہو جاتا ہے)

28۔ دو دوستوں کے درمیان فرقہ وارانہ فسادات کے عنوان پر مکالمہ

تمہیدی منظر نامہ:

(احسان اور اکرام دونوں دوست ہیں اور ایک ہی محلّہ میں رہتے ہیں۔ چھٹی کا دن ہے۔ اکرام احسان کے پاس آتا ہے اور دونوں میں گفتگو کا آغاز ہوتا ہے۔)

اکرام : السلام علیکم!

احسان : وعلیکم السلام، آیئے جناب، کیسے ہیں؟

اکرام : میں بالکل ٹھیک ہوں، لیکن آپ کے چہرے پر فکرمندی کے آثار کیوں نظر آ رہے ہیں۔

احسان : آپ نے شاید آج کا اخبار نہیں پڑھا۔

اکرام : میں تو ناشتہ سے فارغ ہو کر آپ کے پاس چلا آیا، کوئی خاص خبر ہے کیا؟

احسان : (ایک سرد آہ بھرتے ہوئے) بس اللہ تعالیٰ ہی ہمارے حال پر رحم فرمائے اور ہدایت دے۔

اکرام : بھائی صاحب! کچھ بتاؤ گے بھی سہی یا یوں ہی ٹال مٹول سے کام لیتے رہو گے۔

احسان : وہی فرقہ ورانہ فسادات کی خبر ہے جو آئے روز اخباروں کی زینت بنتی رہتی ہے۔

اکرام : یہ تو واقعی افسوس ناک خبر ہے۔

احسان : یہ لیں اخبار آپ خود ہی پڑھ لیں کہ ہم مسلمانوں کے باہمی اختلافات کہاں تک پہنچ گئے ہیں؟

اکرام : (اخبار پڑھتے ہوئے) دس بے گناہ افراد فرقہ ورانہ فسادات کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔

احسان : اب کچھ ہی دنوں بعد مخالف فرقے سے تعلق رکھنے والوں سے بدلہ لیا جائے گا۔

اکرام : دراصل کچھ بیرونی قوتیں اس سازش میں ملوث ہیں تاکہ مسلمان آپس میں لڑتے مرتے رہیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے ایجنٹوں کو ہماری صفوں میں داخل کیا ہوا ہے۔

احسان : آپ کو تو ہر بات میں بیرونی سازش نظر آتی ہے۔ جہاں کوئی دھماکہ ہوتا ہے تو آپ کا سوئی ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ کسی غیر ملک کی سازش ہے۔

اکرام : صاف اور سیدھی بات ہے کہ ہمارا مذہب اسلام تو ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان ایک دوسرے کی عبادت گاہوں پر حملے کریں اور قتل و غارت کا بازار گرم کریں۔

احسان : لیکن یہاں تو مسلمان ہی مسلمان کو مار رہا ہے۔

اکرام : یہی تو ہمارا المیہ ہے۔ کسی کی وجہ سے ہم مسائل سے دوچار ہیں۔ دکھ کی بات تو ہے کہ ہر گروہ اپنے خود ساختہ فرقے کو اسلام سے زیادہ معتبر سمجھتا ہے اور دوسری وجہ بھی سازشی عناصر ہیں فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کا اتحاد جیسے ختم ہو جائے اور وہ آسانی سے اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو سکیں۔

احسان : حالاں کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور فرقوں میں تقسیم نہ ہوں۔

اکرام : آپ نے بالکل درست فرمایا ہے کیوں کہ جب اللہ ایک ہے، قرآن ایک ہے، رسول ایک ہے تو ہم مسلمان ایک کیوں نہیں ہو سکتے۔

احسان : علامہ اقبال نے بجا فرمایا تھا کہ

؎ حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک ۔۔۔ کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

اکرام : میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے موجودہ مسائل میں اس وقت سب سے بڑا مسئلہ فرقہ واریت کے خاتمے کا ہے۔ اس کی وجہ سے قتل و غارت اور خوں ریزی ہو رہی ہے۔

احسان : دہشت گردی کے مسائل کو حل کیے بغیر کسی بھی دوسرے مسئلے کا حل ممکن نہیں ہو سکتا۔

اکرام : دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے فوج کی کارروائی جاری ہے لیکن یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کے لیے ہمیں

احسان : دہشت گردی کے خاتمے کے لیے فوج کی کارروائی جاری ہے لیکن یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کے لیے ہمیں

اکرام : اس سلسلے میں علما کرام کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے اپنے فرقوں سے دہشت گردی کا خاتمہ کریں اور عوام کو بھی دہشت گردی کو پھیلنے سے روکیں۔

احسان : یہی بھائی آج پورا مغرب اسلام کے خلاف "الکفر ملۃ واحدہ" کی مثال بن کر مسلمانوں کو مٹانے کی فکر میں لگا ہوا ہے اور ہمیں آپس کے جھگڑوں سے فرصت نہیں۔

اکرام : بات صرف جھگڑوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ کافی سے گولی تک کا سفر کرتی ہوئی ہم پارہ تک پہنچ گئی ہے۔ ہر جگہ کہیں نہ کہیں دھماکہ یا فائرنگ وغیرہ ہوتی ہے جس میں ظاہر ہے یہ پتا چلتا ہے کہ غیر ملکی ایجنٹ یا ان کی ہوا اسٹوڈنٹ ہوا ہے۔ اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کتنی بڑی سازش مسلمانوں کے خلاف کر رہی ہیں۔

احسان : مسلمانوں کو چاہیے کہ سمجھداری سے کام لیں اور وہ کسی اشتعال سے بچ کر رہیں۔

اکرام : (آہ بھر کر) کاش ایسا ہو جائے۔ کیوں کہ اتحاد اتفاق ہی اس مسئلے کا واحد حل ہے۔

احسان : اب بھی وقت ہے کہ ہم اتحاد کی ضرورت محسوس کر کے متحد ہو جائیں اور یہ فرقہ واریت کی آگ جو ہر طرف لگی ہوئی ہے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

اکرام : فرقہ واریت ایک زہر کی مانند ہے جو ہر طرف سے اسلامی دنیا میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔

احسان : آپ کے خیال میں اس کا کیا حل ہے؟

اکرام : میں چاہتا ہوں کہ اگر کسی سطح پر اشتعال رونما ہو گیا ہے تو اس کو قرآن پاک کے احکامات کی روشنی میں حل کریں۔ ہر مسئلہ کی ضرورت ہے تو احادیث نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کریں اور اس کو [illegible]

ذیل میں دیے گئے سوالات کو پڑھ کر تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ بقول علامہ اقبال:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر ۔۔۔ اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یہ تو حقیقت ہے کہ ہماری پستی اور زوال کی بڑی وجہ قرآن پاک کی تعلیمات سے انحراف ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ "انتم الاعلون ان کنتم مومنین" بے شک مسلمان آج بھی بھائی بھائی ہیں۔ لیکن ہم فروعی اختلافات کی وجہ سے آپس میں دست و گریباں ہیں۔

ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کر سکتے ہیں کہ اے اللہ! جس مقصد کے لیے پاکستان بنا اور ہمارے ملک کو جس کا گہوارہ بنانا تھا کیونکہ پوری دنیا میں اسلام کی روشنی سے گہوارہ فراہم کرنا ہے۔

آمین

(انشائی مکالمہ)

(اگر ہم احسان سے بھاگنے کے بجائے اس کی طرف دوڑتے ہوں تو کیا ہوتا ہے۔)

29۔ دو دوستوں کے درمیان اعلیٰ تعلیم کی اہمیت کے بارے میں مکالمہ

تمہیدی مکالمہ نما:

(سرگودھا، 2014ء)

(ارسلان اور کامران دونوں دوست ہیں۔ کامران اپنے دوست ارسلان سے ملنے اس کے گھر آتا ہے اور اس سے مکالمہ ہوتا ہے۔)

کامران: السلام علیکم!

ارسلان: وعلیکم السلام! آؤ کامران بھائی کیسے ہو؟

کامران: ٹھیک ہوں اللہ کا شکر۔ آپ سناؤ کیا ہو رہا ہے آج کل؟

ارسلان: کیا ہونا ہے بی اے کیے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے۔ کوئی ملازمت ہی نہیں مل رہی۔ کیا تم کوئی مشورہ دو گے؟

کامران: جی آپ لکھتے ہیں کہ آپ کا مشورہ حاصل کرنا بے کار ہے۔

ارسلان: ہاں تو اور کیا! ہر روز نوکری کے لیے گھر سے نکلتا ہوں مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملتا ہے "ان ایکٹو" کی اضافی ڈگری ملازمت کے لیے ضروری ہے۔

کامران: دیکھو کی بات نہیں ابھی نہیں ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عمر کی دولت دی ہے اس کی قدر کریں۔

ارسلان: اس سے تو بہتر تھا کہ میں کوئی ہنر سیکھ لیتا۔ آپ دیکھیں نے کہ کالج کے گیٹ پر "سوئے ہوئے" کی زد میں کاریں کھڑی ہیں اور ان پر بورڈ لگا ہوتا ہے "کتی اسے سوئے ہوئے ہے"

کامران: دراصل ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم حصولِ علم کو صرف ذریعہ ملازمت سمجھتے ہیں اور ہماری سوچ محدود ہوتی ہے۔ حالاں کہ علم حاصل کرنا تو بہت بڑی سعادت ہے جس کی قرآن و حدیث میں بھی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

مشاہدہ تو یہی ہے کہ زیادہ تر تعلیم یافتہ بے روزگار ہیں۔

کامران : آپ کی سوئی دماغ میں ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی ہے۔ آج کا نوجوان سمجھتا ہے کہ جیسے ہی تعلیم سے فارغ ہو فوراً کوئی بڑا افسر بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پینا بھی توہین سمجھتا ہے۔

ارسلان : آپ اپنی بات کی کچھ وضاحت کریں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

کامران : میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ سمجھ کر لوگ علم حاصل کرنا چھوڑ دیں کہ ملازمت مشکل سے ملتی ہے تو کیا ہمارا ملک ترقی یافتہ ہو جائے گا۔

ارسلان : جہالت سے تو تنزلی ہی ہوگی۔

کامران : اعلیٰ تعلیم کی اہمیت و افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے، کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد اہم کردار ادا کرتے ہیں ڈاکٹر عبدالقدیر کی مثال ہمارے سامنے ہے، جنھوں نے ملک کو ایٹمی طاقت بنا دیا۔ یہ ان کی اعلیٰ تعلیم کی بدولت ہی ممکن ہوا۔

ارسلان : واقعی وہ تو ہمارے لیے بہت قیمتی اثاثہ ہیں۔

کامران : اسی طرح آپ قائداعظم کی زندگی سے سبق حاصل کریں انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، جس کی بدولت پاکستان کے حصول کے لیے کوشش کی، جس کے نتیجے میں آج ہم آزاد اسلامی ملک کے شہری ہیں۔

ارسلان : وہ تو بہت عظیم اور بڑے لوگ تھے۔

کامران : انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی جس کی بدولت وہ ایک عظیم انسان بن کر دنیا کے سامنے آئے۔ اور موجودہ دور تو جدید ٹیکنالوجی اور سائنس کا دور ہے، اگر ہم نے تعلیمی میدان میں سستی دکھائی تو پھر "ہماری داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں"

ارسلان : اس وقت تو اہل مغرب ہی جدید علوم و ٹیکنالوجی کے اعتبار سے ہم پر حاوی ہیں۔

کامران : جب سے ہم نے اپنے آباؤ اجداد کے علوم سے ناتا توڑا تو زوال کا شکار ہو گئے اور اہل مغرب اعلیٰ تعلیم کی بدولت بام عروج پر پہنچ گئے۔ ایجادات و اختراعات ان کے دامن میں گرتی چلی گئیں اور وہ دنیا میں اپنا لوہا منوانے میں کامیاب ہو گئے۔

ارسلان : آپ کے خیال میں اہل مغرب کا ہم پلہ ہونے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

کامران : سیدھی سی بات ہے کہ جس طرح ایک سپاہی اسلحہ کے بغیر جنگ نہیں لڑ سکتا، اسی طرح ہم بھی اس جدید دور اور ترقی یافتہ دنیا میں اعلیٰ تعلیم حاصل کیے بغیر اقوام عالم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتے۔

ارسلان : آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے ماضی کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمان ہر میدان میں بام عروج پر تھے۔

کامران : بلاشبہ یہ سب اعلیٰ تعلیم کی بدولت تھا، بغداد، کوفہ، قرطبہ، بصرہ، قاہرہ اور دیگر کئی شہر علوم و فنون کا گہوارا رہے ہیں اور اسلام کی عظمت کا ڈنکا بجتا رہا اور مسلمانوں میں بڑے بڑے مفکر اور سائنس دان گزرے ہیں۔

ارسلان : یقیناً ہماری غفلت ہی ہمیں بہت پیچھے لے گئی ہے۔

کامران : آج کا انسان تو جدید علوم اور اعلیٰ تعلیم کی بدولت چاند پر پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے سائنس کے میدان میں اپنی برتری اور ٹیکنالوجی کے میدان میں کارکردگی دکھائیں۔

ارسلان : آپ کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔

کامران : جب کہ ہم اپنی تعلیمی ترقی کی معراج ملازمت کے حصول کو سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

ارسلان : یقیناً اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ **"ماں کی گود سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو"۔**

کامران : اعلیٰ تعلیم کی بدولت انسان کی زندگی میں بے شمار سہولیات آ گئی ہیں۔ کمپیوٹر کو دیکھیں سرکاری و نجی شعبوں میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اسی طرح ایک ڈاکٹر اپنی اعلیٰ تعلیم کی بدولت کتنے لوگوں کی زندگی بچاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ایک ان پڑھ اور پڑھا لکھا شخص برابر نہیں ہو سکتا۔

ارسلان : آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے اتنی مفید باتیں بتائیں۔

کامران : تو پھر پکوڑے، سموسے کب کھلا رہے ہیں؟

ارسلان : بھائی رزق تو جو مقدر میں ہے مل کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت عطا فرمائی ہے، جس پر میں شکر گزار ہوں۔

کامران : علم انسان کی اپنی ذات کو بھی فائدہ دیتا ہے۔ آپ جو بھی کاروبار یا تجارت کریں گے تو اپنی تعلیم کی بدولت کامیاب رہیں گے۔

ارسلان : بہت شکریہ۔

کامران : ٹھیک ہے پھر ملیں گے۔ اب اجازت دیں۔ (اللہ حافظ)

(اختتامی منظر)

(کامران، ارسلان سے معانقہ کر کے رخصت ہو جاتا ہے)

30۔ دو مسافروں کے درمیان اخلاقی پستی / انحطاط کے عنوان پر مکالمہ

تمہیدی منظر نامہ:

(بس اسٹاپ پر بس رکتی ہے، سیٹ نمبر 15 پر ایک بڑے میاں بیٹھے ہیں۔ ایک نوجوان ان کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتا ہے اور گفتگو شروع ہوتی ہے)

نوجوان : السلام علیکم!

بزرگ : وعلیکم السلام! کیا نام ہے آپ کا بیٹا؟

نوجوان : جی میرا نام شعیب ہے اور میں ملتان جا رہا ہوں۔ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟

بزرگ : جیتے رہو بیٹا، میں بہاول پور جا رہا ہوں۔

نوجوان : (سامنے والی سیٹ پر ایک آدمی سگریٹ سلگاتا ہے) ایسو! بھائی صاحب! دیکھ کر پیئیں۔ سگریٹ کے دھوئیں سے میرا دم گھٹتا ہے۔

سگریٹ نوش : کیوں جناب! میری مرضی ہے میں تو سگریٹ پیوں گا۔ آپ کو تکلیف ہوتی ہے تو اٹھ جائیں۔

بزرگ : لاحول ولا قوۃ! اخلاقیات کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔

نوجوان : آپ دیکھیں! کتنے اچھے انداز میں درخواست کی تھی لیکن آگے سے کتنی بدتمیزی سے جواب ملا۔

بزرگ : آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ ہمارا معاشرہ اخلاقی زوال کا شکار ہو چکا ہے۔ کسی سے خلوص سے بات کرو تو آگے سے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔

نوجوان : آپ ذرا ان کنڈکٹر صاحب کا رویہ ملاحظہ فرمائیں، کتنی بدتمیزی سے سواریوں سے مخاطب ہو رہا ہے۔

بزرگ : حدیث پاک میں آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''اخلاق نصف ایمان ہے'' دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ''کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔

نوجوان : آپ کی بات درست ہے لیکن ان کو کون سمجھائے۔ بات صرف یہاں تک محدود نہیں بلکہ اخلاقی اقدار اس حد تک پامال ہو چکی ہیں کہ اولاد، والدین کا کہا نہیں مانتی، شاگرد استاد کا احترام نہیں کرتے۔ کس کس بات کا رونا روئیں۔

بزرگ : قدیم دور اور موجودہ دور کی نوجوان نسل کے مزاج اور رویوں میں بڑا فرق ہے۔ ہمارے دور میں رشتوں کا تقدس تھا۔ چھوٹے بڑوں کا احترام کرتے تھے مگر موجودہ دور ایسی خوبیوں سے محروم ہے۔

نوجوان : اب تو اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے کہ دوران سفر کوئی سفید ریش بزرگ کھڑا ہوا ہو تو سیٹ دینے کے لیے کوئی نوجوان تیار نہیں ہوتا۔ محبت و احترام کے جذبات تو گویا مفقود ہو چکے ہیں۔

بزرگ : اچھے لوگ بھی ہیں بیٹا! جیسا کہ تمھاری قابلیت، سمجھ داری اور ادب دیکھ کر دل خوش ہوا ہے۔

نوجوان : یہ تو آپ کی شفقت ہے کہ مجھے آپ اچھا کہہ رہے ہیں ورنہ میں کس لائق ہوں۔ دراصل میں معاشرے کے اندر پھیلی اخلاقی پستی کے بارے میں عمومی بات کر رہا ہوں۔

بزرگ : بیٹا: حقیقت یہ ہے کہ ''باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب'' اس سے کم لفظوں میں حسن اخلاق کے بارے میں اور کیا تشریح ہو سکتی ہے۔

نوجوان : غضب تو یہ ہے کہ استاد جیسی عظیم ہستی سے بھی ادنیٰ رویہ برتا جاتا ہے۔ اساتذہ کرام کی ناقدری عام ہو چکی ہے۔ ذرا سی بات پر طلبا بپھر جاتے ہیں۔ طلبا میں اساتذہ کرام کا احترام ختم ہو چکا ہے۔

بزرگ : استاد کی بے ادبی کرنے والے طلبا کو اکثر دھکے کھاتے ہی دیکھا ہے۔ اسی طرح والدین کے بھی حقوق ہیں جن کی بجا آوری ضروری ہے۔ آج کے دور میں اولاد بھی والدین سے باغی ہو رہی ہے۔

نوجوان : جی ہاں! یہ بھی بہت افسوس ناک پہلو ہے۔

بزرگ : اس میں بعض اوقات کچھ والدین کی غفلت بھی شامل حال ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت سے غفلت کرتے ہیں اور جب بچے بڑے ہو کر بے ادبی سے بات کرتے ہیں تو پھر پچھتاتے ہیں۔

نوجوان : آپ کی باتوں سے بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع مل رہا ہے۔

بزرگ : اور مجھے بھی فخر ہو رہا ہے کہ ایسے نوجوان اب بھی موجود ہیں جو بڑوں کی بات توجہ سے سنتے ہیں۔ دراصل ہمارا دین ہمیں خیر خواہی اور ادب کی ترغیب دیتا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ''الدین النصیحۃ'' یعنی دین تو سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔

نوجوان : بالکل بجا فرمایا آپ نے اور ہماری اخلاقی پستی کی وجہ اسلامی تعلیمات سے روگردانی ہے۔ (اتنے میں بس میں کنڈیکٹر اور ایک مسافر کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے بدکلامی سے پیش آتے ہیں)

نوجوان : سنتے ہیں یہ لوگ تبدیل ہو رہے ہیں، کہاں گیا بھائی چارہ اور احترام مسلم، نہ بڑوں کا ادب ہے نہ چھوٹوں پر شفقت ہے۔

بزرگ : یہی تو المیہ ہے ورنہ دین تو خیر خواہی کا نام ہے۔ یہ تو بس کے سفر کا تجربہ ہو رہا ہے۔ آپ ذرا بازار میں گھوم پھر کر دیکھ لیں۔ بد دیانتی عام ہے۔

نوجوان : بازار سے خوب یاد دلایا ہے آپ نے، کل ہی میں دو کلو سیب لے کر گھر گیا اور چیک کیا تو سارے گلے سڑے نکلے۔ جب ریڑھی والے کے پاس گیا تو اس نے پہچاننے سے انکار کر دیا۔

بزرگ : یہ تو سراسر فریب اور دھوکہ بازی ہے اور ایسے شخص سے آپ ﷺ نے لاتعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔

نوجوان : بس جناب! اللہ تعالیٰ ہی ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

بزرگ : (آمین) اس پُرفتن اور نفسا نفسی کے دور میں رجوع الی اللہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے روشنی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

نوجوان : جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت، کامیابی اور زندگی گزارنے کے اصول قرآن پاک میں ارشاد فرما دیے ہیں اور آپ ﷺ کی مبارک زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

بزرگ : اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ سے بات کر کے دل خوش ہوا۔ اب اجازت کیوں کہ میرا سٹاپ قریب آ چکا ہے۔

نوجوان : آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اللہ حافظ

(اختتامی منظر)

(بس رکتی ہے، بزرگ اور نوجوان مصافحہ کرتے ہیں اور بزرگ اپنا سامان اٹھا کر نیچے اتر جاتے ہیں)